Scanned by CamScanner

تحدید نسل

اور

اسلامی تعلیمات

از

محمد عبید اللہ الاسعدی

استاذ حدیث جامعہ عربیہ ہتھورا، باندہ، یوپی

مکتبہ احسان لکھنؤ

MAKTABA AHSAN

Lucknow-20

تحدید نسل اور اسلامی تعلیمات

تالیف

محمد عبید اللہ الاسعدی

باہتمام

محمد طاہر احسان و مولانا عرفان نصر ندوی

Tahdeed-e-Nasl
Aur Islami Taleemat

Author:
Muhammad Ubaidullah Al-As'adi

Edition : 2015

Pages : 104

Price : 50/-

ناشر

Head Office: 504/38-1, Tagore Marg, Daliganj, Lucknow-20 (U.P.)
Ph. : 0522-3206907 M. : 9793118234, 9335982413
E-mail : maktabaahsan1@gmail.com
Branch Office: Bagh Wali Masjid, Lal Bagh, Muradabad
M.: +91-9359103393, +91-8057917341, +91-8791355187

وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ مِنْ اِمْلَاقٍ
وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ

ترجمہ

۱- اور اپنی اولاد کو فقر کے سبب قتل مت کرو۔

۲- اور اپنی اولاد کو ناداری کے اندیشے سے قتل مت کرو۔

(القرآن)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:
حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ
کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟
فرمایا: "یہ کہ اللہ کیساتھ تو کسی کو شریک بنائے حالانکہ
اس نے تجھ کو پیدا کیا"۔
عرض کیا گیا اس کے بعد کون سا؟
فرمایا: "یہ کہ تو اپنی اولاد کو اس ڈر سے قتل کر دے کہ وہ
تیرے ساتھ کھائے گا" الخ۔

(حدیث شریف)

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض مؤلف

(بمناسبت جدید ایڈیشن)

''تحدید نسل اور اسلامی تعلیمات'' یہ تحریر خاص حالات وخاص پس منظر میں تیار کی گئی تھی، کسی طرح شائع ہوئی پھر اشاعت کی نوبت نہ آسکی، اب میں مشکور ہوں مکتبہ احسان کا کہ ان کی توجہ سے اس کا تازہ ایڈیشن آپ کے ہاتھوں میں ہے، جبکہ اس کی اولین اشاعت کا سب سے بڑا ذریعہ جو بنا وہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں جا چکا ہے، یعنی میرے برادر سعید مولوی حافظ سید سعید حسن ندوی رحمہ اللہ تعالیٰ وغفرلہ مغفرۃ واسعۃ کہ انہوں نے اس کی اشاعت کیلئے بڑی محنت کی تھی وہ احقر کی تالیفی مساعی کا ابتدائی عہد بھی تھا۔

بہر حال میرے لئے سعادت ومسرت کی بات ہے کہ ایک عرصہ کے بعد کتاب کی دوبارہ اشاعت ہو رہی ہے، حق تعالیٰ اس کو قبول فرمائے اور نفع کو عام فرمائے فقط۔

محمد عبید اللہ الاسعدی

۱۱/۴/۱۴۳۶ھ

مولانا ضیاء الدین صاحب اصلاحی
رفیق دارالمصنفین اعظم گڈھ

تحدید نسل اور ضبط تولید کی حمایت ومخالفت میں بہت لکھا گیا ہے، یہ کتاب بھی اسی سلسلہ کی کڑی ہے، اس تحدید نسل کی موجودہ کوششوں اور رائج عام رزق رسانی کے قدرتی انتظام کو بیان کر کے تحدید نسل اور بڑھتی ہوئی آبادی کی روک تھام کی ضرورت کے جو اسباب بتائے جاتے ہیں ان کا جواب دیا ہے، اور افزائش اور توالد وتوانسل کو منشائے قدرت بتایا ہے، مصنف نے نکاح کو افزائش نسل کی صحیح صورت قرار دینے کے بعد اس کی ضرورت، مصلحت اور شرعی اہمیت واضح کی ہے، آخر میں ضبط نسل کی صورتیں، قتل اولاد، اسقاط، نس بندی، اختصار اور عزل کے متعلق احکام شریعت بیان کئے ہیں، اور اس سلسلہ میں قرآن وحدیث کے نصوص کے علاوہ علمائے اسلام کے اقوال بھی پیش کئے ہیں، کتاب کی ترتیب سلیقہ سے کی گئی ہے، اور اس کے زیر بحث مسئلہ کو سمجھنے میں مدد ملے گی، اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والوں کیلئے اس کا مطالعہ مفید ہوگا۔

ماہنامہ معارف اعظم گڈھ (اپریل ۱۹۸۱)

مولانا یوسف صاحب لدھیانوی
جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی (پاکستان)

یہود ونصاریٰ کو جب مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی آبادی اور تعداد اپنے لئے خطرہ معلوم ہونے لگی تو ان کی تعداد کو مزید بڑھنے سے روکنے کیلئے اضافہ آبادی وقلت پیداوار کا ہوّا کھڑا کر کے فیملی پلاننگ اور برتھ کنٹرول کی تحریک چلائی گئی۔ ہندوستان کی طرح پاکستان میں بھی ایوبی دور میں مسلمانانِ پاکستان کو اس صورت حال سے دو چار ہونا پڑا، لیکن جیسے پاکستان میں اس موضوع پر مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ مولانا مفتی ولی حسن صاحبؒ، مولانا محمد یوسف بنوریؒ، اور مولانا مفتی محمود صاحبؒ باطل نظریات کا دندان شکن جواب دیکر ہمیشہ کیلئے ملحدین اور مستشرقین کا منھ بند کرنے میں علمی دنیا میں کامیاب ہوئے، اسی طرح ہندوستان کے حدود میں اللہ تعالیٰ نے دوسرے جلیل القدر علماء کے ساتھ مولانا محمد عبید اللہ الاسعدی کا بھی انتخاب کیا، زیر نظر کتاب میں فاضل مصنف نے جہاں "تحدید نسل" کو عقلاً، عرفاً، طبعاً، شرعاً اور تجربۃً باطل ثابت کیا ہے، وہاں ملحدین کے اس موضوع پر جملہ اعتراضات کے مسکت جوابات بھی دیئے، کتاب میں مندرجہ ذیل امور پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے، محاسن نکاح، نکاح کا شرعی حکم، تحصیل اولاد کی مصلحت اور اس کے اخروی فوائد، تحدید نسل کی صورتیں، اسبابِ قتل، تحدید نسل کی تردید، اسقاط حمل کے احکام، نس بندی، اختصاء کے احکام، عزل، مخالف وموافق روایات، "نظریۂ تحدید نسل کی آپ بیتی بنیادی"، مفاسد، بنیادی غرض اور دیگر امور پر تفصیل سے دلائل کے ساتھ بڑے حسن وخوبی سے بحث کی گئی ہے۔

ماہنامہ بینات کراچی ربیع الآخر ۱۴۰۱ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

از

حضرت مولانا برہان الدین صاحب سنبھلی دامت برکاتہم
ناظم مجلس تحقیقاتِ شرعیہ
ندوۃ العلماء لکھنؤ

الحمد للّٰہ رب العٰلمین والصلاۃ والسلام علی رسُولِنا
محمدو آلہ وصحبہ اجمعین
امابعد!

اسلام اور اسلامی تعلیمات کے خلاف آئے دن مخالفوں کی طرف سے نئے نئے انداز اور مختلف شکلوں میں جو حملے ہوتے رہتے ہیں ان میں نہ صرف اسلامی علوم اور اسلامی تہذیب وثقافت ہی کو نشانہ بنایا جاتا ہے، بلکہ اسلام کا نام لینے اور اس کی صداقت پر ایمان رکھنے والوں کو بھی جا و بے جا طریقوں سے پریشان کرنے، گویا انہیں حق پسندی کی پوری پوری سزا دینے ـــــ کی امکانی کوششوں میں بھی کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا جاتا، اس سب کے باوجود جب یہ مبارک کوششیں مسلمانوں کو اسلام سے دور کرنے میں بے ثمر اور تمام کاوشیں بے اثر ہوتی نظر آنے لگیں اور مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی تعداد اپنے لئے خطرہ معلوم ہونے لگی تو تعداد کم کرنے کیلئے دام ہم رنگ زمین پھیلا کر اس میں پھنسانے یعنی اضافہ آبادی اور قلت پیداوار کا ہوّا کھڑا کر کے فیملی پلاننگ اور برتھ کنٹرول کا حسین عنوان دیکر مقصد برآری کی کوشش کی جانے لگی۔

ہوسکتا ہے کہ کسی کو یہاں یہ شبہ ہو کہ فیملی پلاننگ کی اسکیم تو بلا تفریق مذہب ہر ایک کیلئے تھی، لیکن جن لوگوں کی نظر حقیقت پر گہری ہے، وہ جانتے ہیں کہ اصل نشانہ پر کون تھا؟ اور سختیاں زیادہ تر کس پر ہوئیں؟ اور جو کچھ شبہ ابتک اگر کسی کے دل میں تھا

تو وہ بھی حال ہی میں اخبارات میں شائع ہونے والے ایک جن سنگھی لیڈر کے اس بیان پر جاتا رہا کہ "اس پارٹی کو ووٹ دینا چاہئے جو جبری نس بندی کرائے تاکہ دوسروں کی تعداد نہ بڑھے" اور اسے سادہ لوحی کہیئے یا ستم ظرفی کہ کچھ "اپنے بھی" "اغیار" کی اس سازش کا شکار ہو کر ان کی نہ صرف ہم نوائی کرنے لگ گئے بلکہ اتنی بلند آہنگی سے اس "لے" کو بڑھانے پر اتر آئے کہ جس کی جرأت شاید غیروں کو بھی نہ ہوتی یا ہوسکتی تھی پھر تو اب کے نتیجے میں غیروں ہی کے نہیں "اپنوں" کے ہاتھوں بھی وہ کچھ سرزد ہوا جسے دیکھ کر بے ساختہ یہ شعر زبان پر آتا رہا۔

من از بے گانہ گاں ہرگز نہ نالم
بامن ہرچہ کرد آں آشنا کرد

شعوری یا غیر شعوری طور پر آلہ کار بننے اور سازش کا شکار ہونے والوں میں نہ صرف عوام (کالانعام) اور مغرب زدہ لوگ تھے بلکہ اسی صف میں کچھ ایسے افراد بھی نظر آئے جنھیں مسلمانوں کی ایک تعداد "علماء" کے معزز لقب سے یاد کرتی اور اسی خطاب کا اہل بھی سمجھتی تھی، ان افراد کے میدان میں آجانے سے اہل علم ودین مجبور ہوئے کہ مغالطہ انگیز استدلالات کے پائے چوبیں پر کھڑی کی جانے والی عمارتوں کی کمزوری کو واضح کریں اور اس کے نتیجے میں پھیلی یا پھیلائی جانے والی غلط فہمیاں دور کرنے کی اہتمام کے ساتھ سنجیدہ کوشش کریں، چنانچہ خداوند تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ ہمیشہ کی طرح اس موقع پر بھی انہوں نے یہ فرض کفایہ ادا کیا، یہاں اس کا ذکر بے محل نہ ہوگا کہ ایسے نازک وقت میں بھی اس فرض کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں کی گئی کہ جب زبانوں پر تالے اور پیروں میں بیڑیاں ڈالی جارہی تھیں اور جب کلمۂ حق کہنا واقعی دار و رسن کو دعوت دینا، یعنی صحیح معنی میں افضل الجہاد بن گیا تھا، اس فتنۂ بداماں اور پرآشوب دور میں مسلم پرسنل لا بورڈ کے پلیٹ فارم سے انجام پانے والا علماء کا یہ کارنامہ تاریخ میں سنہرا عنوان پائے گا کہ دارالسلطنت میں فرعون صفت حکمراں کے ٹھیک ناک کے نیچے بیٹھ کر نہ صرف "نس بندی حرام ہے" کا فتویٰ دیا بلکہ "فیملی پلاننگ" کی اُس پوری (جارحانہ) اسکیم کو غیر دانشمندانہ اقدام بتایا، اور صاف لفظوں میں اسے

ناجائز قرار دیا، پھر اپنی رائے اور فیصلہ کو سخت دشواریوں اور آہنی رکاوٹوں کے باوجود برسرِ عام لانے کیلئے متعدد چھوٹے بڑے پمفلٹ اور قدم آدم پوسٹر شائع کر کے دوسرا (اس وقت کے لحاظ سے) خطرناک ترین قدم اٹھایا (فجزاهم الله احسن الجزاء و شكر مساعيهم) عین اس زمانہ میں (نیز اس سے پہلے اور اس کے بعد بھی) علم و دین سے نسبت رکھنے والے بہت سے لوگوں اس موضوع پر خالص علمی و فقہی انداز میں کتابیں، مقالے اور رسالے لکھے، جن میں بہت سے شائع ہو کر منظرِ عام پر آئے۔

احقر راقم السطور نے بھی مسلم پرسنل لابورڈ کی اس میٹنگ میں جس کا ذکر اوپر آیا پیش کرنے کیلئے ایک مقالہ لکھا تھا، جس میں فیملی پلاننگ کی مختلف شکلوں، خاص طور پر نس بندی کا علمی و فقہی جائزہ ایسے انداز میں لیا تھا جس سے نس بندی کو جائز کہنے والوں کے نام نہاد دلائل کا بھرم بھی کھل گیا (اور عجیب اتفاق ہے کہ اس نہج پر لکھا جانے والا ایک اور عالم کا مقالہ بھی سائیکلو اسٹائل کیا ہوا میٹنگ میں پیش کیا گیا، چنانچہ وہی فیصلہ کی بنیاد بنا اور گو تجویز کی زمین قرار پایا)۔

فیملی پلاننگ کو جائز کہنے والے عموماً عزل کو بنیاد بناتے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یا تو وہ اس بارے میں واقعی غلط فہمی کا شکار ہو گئے یا جانتے بوجھتے انہوں نے غلط فہمی پھیلائی (اس موقع پر بے ساختہ متنبی کا مصرع زبان قلم پر آ گیا)۔

وان كنت تدری فالمصيبة أعظم

کیونکہ عزل جیسے خلاف فطرت اور عملاً نہایت مشکل فعل کی اجازت پر (اگر بالفرض اس کے مطلق جواز کا قول ہی تھوڑی دیر کیلئے بحث کے واسطے صحیح مان لیا جائے حالانکہ صحیح بات وہ ہے جو علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے فتح الملہم ج:۳، ص:۵۱۴ میں بیان کی ہے: ''فالذی يترجح من مجموع الأدلة كراهة العزل وكونه غير مرضی من غير تحريم'' اس کی اجازت پر فیملی پلاننگ کی شکلوں بالخصوص نس بندی کو قیاس کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ گھوڑے پر ہاتھی کا قیاس کرنا محض اس بنیاد پر کہ دونوں جاندار ہیں اور بغیر سینگ کے ہیں اور جو خصوصیات دونوں کو ایک دوسرے ممتاز کرنے والی ہیں انہیں نظر انداز کر دیا جائے، ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص محض اتنی سی

یکسانیت کی بنا پر (گھوڑے اور ہاتھی) دونوں کا حکم یکساں بنانے لگے تو وہ نہ صرف اپنے علم و فہم بلکہ دماغی صحت کے بارے میں بھی شبہ کرنیکی گنجائش کا پورا سامان فراہم کرے گا۔

واقعہ تو یہ ہے کہ ''نس بندی'' اور ''عزل'' میں اتنی مشابہت نہیں جتنی گھوڑے اور ہاتھی میں ہے، اور اُن دونوں فعلوں میں اختلاف اس سے کہیں زیادہ ہے جتنا ان دونوں جانوروں میں ہے، ''عزل'' اور ''نس بندی'' کے درمیان جو بہت واضح اور نمایاں فرق نظر آتے ہیں ان کو مختصراً ذیل میں بیان کیا جاتا ہے:

(۱) عزل میں دوسرے سے مدد نہیں لی جاتی (بلکہ نہیں لی جا سکتی) بخلاف نس بندی کے کہ یہ بغیر ماہر ڈاکٹر کے اور کوئی شخص کر ہی نہیں سکتا۔

(۲) عزل میں کوئی عمل جراحی نہیں ہوتا بخلاف نس بندی کے کہ وہ تو آپریشن ہی کیا جا سکتا ہے۔

(۳) عزل میں کسی ممنوع موقعہ پر ستر کھولنا نہیں پڑتا برخلاف نس بندی کے کہ اس میں ڈاکٹر کے سامنے بلا ضرورت شرعی ستر کھولنا پڑتا ہے اور ستر کھولنا حرام ہے، صرف واجب کاموں ہی کیلئے (بیوی اور اپنی باندی کے علاوہ) کسی کے سامنے ستر کھولا جا سکتا ہے (اسی دلیل سے بعض شافعی علماء نے ختنہ کے واجب ہونے پر استدلال کیا ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے (فتح الباری ص:۲۸۷، ج:۱۰ میں) نقل کیا ہے: ''وقدذهب الى وجوب الختان...... الشافعی وجمهور أصحابه واستدل ابن سريج على وجوبه بالاجماع على تحريم النظر الى العورة فلولاالختان فرض لما ابيح النظر اليها من المختون'' (بحوالہ فتح الملہم ج:۱، ص:۴۱۸)۔

واقعہ یہ ہے کہ تنہا ایک یہی وجہ (ستر کا ڈاکٹر کے سامنے کھولنا) نس بندی کو حرام قرار دینے کیلئے کافی ہے، حالانکہ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے اسباب اس کی حرمت کے موجود ہیں:

(۴) عزل میں کوئی انسانی عضو معطل نہیں ہوتا اور نہ اس کی اہم قوت (اسی قوت تولید کا اہم منفعت ہونا اصل کتاب میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے) و منفعت زائل ہوتی ہے، بخلاف نس بندی کے کہ اس میں ایک اہم قوت معطل ہو جاتی ہے

اگرچہ کہا یہ جاتا ہے کہ دوبارہ آپریشن کے ذریعے اس (قوت تولید) کو بحال کیا جاسکتا ہے، مگر ماہر ڈاکٹروں نے یہ بتایا کہ دوبارہ قوت بحال کرنے والے آپریشن میں کامیابی کے امکانات صرف ایک سے پانچ فیصد تک ہیں اور امتداد زمانہ سے یہ امکان اور بھی کم ہوتا رہتا ہے، گویا کامیابی اور قوت تولید کی بحالی کا امکان نفی کے برابر ہے، پھر اس پر مستزاد یہ شرط کہ بحالی قوت کے آپریشن کرنے والے کی اجازت ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ سے لینا ضروری ہے جس کا بحالات ہنگامی ناممکن اور جوئے شیر لانے کے برابر محال ہونا محتاج بیان نہیں۔

(۵) عزل کا عمل اور اس کا اثر بہت محدود ہوتا ہے، اگر بالفرض اس میں اثر مانا جائے، ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ منع حمل کے بارے میں عزل، قطعی غیر مؤثر ثابت ہوا ہے، جیسا کہ ایک حدیث صحیح سے بھی ثابت ہے، اور نس بندی کے نتیجے میں اولاد سے محرومی یقینی اور تقریباً دائمی ہوتی ہے۔

(۶) عزل کرنے نہ کرنے کا ہمیشہ پورا اختیار رہتا ہے، بخلاف نس بندی کے ایک بار کرالینے کے بعد تقریباً ہمیشہ کیلئے قوت تولید سے محرومی ہوجاتی ہے۔

ان وجوہ کے علاوہ دونوں (عزل اور نس بندی) میں اور بھی فرق، تھوڑے سے غور وفکر کے بعد نظر آسکتے ہیں، لیکن ان چند ہی سے یہ سمجھ لینا کسی بھی سمجھ دار کیلئے مشکل نہ رہا ہوگا کہ اتنے اہم اختلافات کے باوجود ایک کو دوسرے پر قیاس کس طرح کیا جا سکتا ہے، اور دونوں کا ایک حکم کیونکر ہوسکتا ہے؟ مزید برآں یہ کہ جسم کے اندر خدائی ساخت میں کسی ایسی تبدیلی کو قرآن مجید نے صاف الفاظ میں شیطانی عمل بتایا ہے، جس سے مقصد تخلیق متاثر ہوتا ہو (اسے قرآن نے ''تغییر لخلق اللّٰہ'' کا نام دیا ہے، دیکھئے سورۂ نساء) ظاہر ہے کہ نس بندی میں تغییر خلق اللہ پائی جاتی ہے۔ یہاں اس بات کا ذکر شاید عبرت ونصیحت کا سامان فراہم کرے کہ اسے جائز قرار دینے والوں میں سے بعض نے اس آیت کی رو سے جب نس بندی ممنوع نظر آنے لگی اس کی توجیہ میں یہ گلفشانی فرمائی ہے کہ ''جو تبدیلی شیطان کے بہکانے سے کی جائے وہی ممنوع ہے'' آپ ہی سوچئے کہ عقل وفہم کی اس سطح پر اتر آنے والوں سے کیا کوئی سنجیدہ اور علمی گفتگو مفید ہوسکتی ہے، بھلا کوئی ان سے اگر یہ سوال کرلے تو کیا جواب ان کے

پاس ہوگا کہ بڑے سے بڑا گناہ کرنے والا بھی کیا دیکھتا ہے کہ شیطان اسے بہکا رہا ہے؟ اور کیا وہ بت پرست جو جانوروں کے اعضاء میں قطع وبرید کرکے بزعم خویش بتوں کو خوش کرنا چاہتے تھے (اصلاً یہ آیت انہی کے بارے میں نازل ہوئی ہے) وہ بھی یہی سمجھتے تھے کہ شیطان ہمیں ورغلا رہا ہے؟ حالانکہ اس کے بالکل برخلاف قرآن مجید سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایسے کاموں کو بھی خدا کی خوشنودی کا بالواسطہ ذریعہ خیال کرتے تھے (مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَا اِلَی اللّٰهِ زُلْفٰی) نس بندی کو جائز کہنے والوں کی یہ بات بھی اہل علم کی نظر میں کیا کوئی وزن رکھتی ہے کہ ''چونکہ اس آیت کی تفسیر میں دو قول ہیں اس لئے کسی ایک کو یقینی نہیں کہا جاسکتا''۔

اگر یہ اصول تسلیم کرلیا جائے تو نہ جانے کتنے قرآنی احکام غیر یقینی (اور گویا نا قابل عمل) بن جائیں بلکہ شاید ہر حکم میں کوئی دوسرا احتمال پیدا کرکے یہ کہا جانا ممکن ہو جائے کہ ''چونکہ آیت کی تفسیر میں دو احتمال ہیں اس لئے کسی ایک کو یقینی نہیں کہا جاسکتا، اور پھر قرآن کے کسی حکم پر بھی عمل کرنا ضروری نہ ٹھہر سکے (کہنے والوں نے غالباً اپنے اس خطرناک اصول کے عواقب پر نظر نہیں کی ورنہ شاید ایسی بات نہ کہتے) بھلا غور کرنے کی بات ہے کہ جب قرآن کے حقیقی مفسر ومبیّن (رسول اللہ ﷺ) دانتوں میں جھیری ڈالنا (یعنی بلاضرورت دانتوں کے درمیان خالی جگہ کرنا، تغییر خلق اللہ قرار دیں اور اسی وجہ سے ایسا کرنیوالوں کو ملعون فرمائیں (صحیح بخاری ص:۸۷۸، ج:۲) تو کیا کسی عضو کو معطل کرکے اس کی اہم منفعت وقوت کو زائل کردینا ''تغییر خلق اللہ'' کے ذیل میں نہیں آئے گا؟ فیا للعجب

فیملی پلاننگ کو جائز کہنے والوں نے بعض فقہاء کے سدفم رحم (رحم کا منہ بند کرنا) کی سخت مجبوری کی حالت میں اجازت دینے سے بھی استدلال کیا ہے حالانکہ شخصی اعذار کی بنا پر ملنے والی کسی اجازت سے عمومی طرز عمل کیلئے کسی بھی ہوش مند کو جواز کی راہ نکالنے کی گنجائش نظر نہیں آتی یا نہ آنی چاہئے، مگر مخصوص حالات میں ''تنکے کا سہارا'' بھی کافی سمجھ لیا جاتا ہے ایسی ہی کچھ صورت حال سے ان بے چاروں کو بھی دوچار ہونا پڑا ورنہ اس جزئیہ سے استدلال کرنے کی گنجائش نہیں تھی علاوہ ازیں یہ کہ عزل پر ''سد

فم رحم'' کا قیاس اور اس کے نتیجہ میں اسے جائز قرار دینے کے خیال کا اظہار بعض ایسے علماء نے کیا ہے کہ جن کی تنہا رائے فتویٰ کی بنیاد نہیں بن سکتی (پھر بعد کے علماء واصحاب کتب نے اسی کو نقل کرنا شروع کردیا) جبکہ ان سے زیادہ بلند درجہ کے علماء فقہاء نے اس کی مخالفت کی ہو، یہاں یہی صورت حال ہے کہ ''صاحب النہر'' نے یہ قیاس کیا ہے لیکن ان ہی کے بڑے بھائی جو ان کے استاذ ومربی بھی ہیں اور علم وفقہ نیز تبحر ومرتبہ میں ان سے کہیں فائق ہیں (یعنی علامہ زین الدین ابن النجم صاحب ''البحر الرائق'') ان کا کلام قطعاً مختلف ہے (دیکھئے شامی ج:۲، ص:۳۸۰) اور ''النہر'' ان کتابوں میں سے ہے کہ تنہا اس کی بنیاد پر فتویٰ نہیں دیا جاسکتا (دیکھئے ''رسم المفتی'' لایجوز الافتاء من الکتب المختصرۃ کالنہر......الخ شامی ج:۱، ص:۴۸)۔

اور اگر بر سبیل تنزل ''صاحب النہر'' کی بات تھوڑی دیر کیلئے مان بھی لی جائے تب بھی فیملی پلاننگ کے نس بندی جیسے طریقوں کو اس پر قیاس کرنا تقریباً اتنا ہی غلط ہوگا جتنا عزل پر قیاس کرنا، کیونکہ اس میں بھی نہ عمل جراحی ہوتا ہے نہ کسی ڈاکٹر یا ڈاکٹرنی کے سامنے ستر کھولنا ضروری ہے، نہ کوئی عضو یا رگ معطل ہوتی ہے، نہ اس کا اثر ایسا مستقل ہوسکتا ہے کہ اسے دور ہی نہیں کیا جاسکے بلکہ اختیار میں رہتا ہے کہ جب چاہے ہٹادے بلکہ قدیم زمانہ میں ''سدفم رحم'' کا جو طریقہ رائج یا متصور رہا ہوگا اس میں تو زیادہ مدت تک اس ''سد'' کے باقی رہنے سے بیماریوں اور خرابیوں بلکہ زخم والم کا امکان پیدا ہوجاتا ہوگا، اس لئے کوئی بھی ہوشمند زیادہ مدت اسے برقرار نہ رکھتا ہوگا۔

نس بندی کے علاوہ دوسری مانع حمل تدابیر مثلاً ایسی دواؤں کا استعمال جن سے حمل ٹھہر نہ سکے ان کے بارے میں اصل کتاب میں حکیم الاسلام شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول پڑھیں گے کہ ان کے نزدیک وہ بھی تغییر خلق اللہ اور قطع نسل کے حکم میں ہیں رہی ''لوپ'' قسم کی کوئی تدبیر سو وہ اس بنا پر جائز نہیں کی جاسکتی کہ اس کے لگوانے میں بھی ڈاکٹر یا ڈاکٹرانی کے سامنے ستر کھولنا پڑتا ہے (جس کی حرمت ظاہر ہے اور اوپر بھی بیان کی جاچکی ہے)۔

باقی شکلوں اور ان کے احکام کی تفصیل آپ ان شاء اللہ اصل کتاب میں ملاحظہ فرمائیں گے جسے برادر عزیز ومکرم حافظ قاری مفتی محمد عبید اللہ بستوی سلمہ اللہ (استاذ جامعہ عربیہ ہتورا، باندہ) نے تصنیف کیا ہے اور واقعہ یہ ہے کہ عزیز موصوف نے اپنی اس کتاب میں مسئلہ زیر بحث کے تمام گوشوں کو خوب واضح اور منقح کرکے پیش کردیا ہے، میرا احساس یہ ہے کہ اب اس سلسلہ میں کسی طالب حق کیلئے دوسری کتاب کی ضرورت فقہی اور شرعی نقطۂ نظر جاننے کے واسطے باقی نہیں چھوڑی — (فجزاہ اللہ احسن الجزاء) آں عزیز نے از راہ حسن ظن اس ہیچمدان کو اپنی کتاب کا مسودہ نظر ثانی کی غرض سے دیا، یہ محض ان کی سعادت مندی ہے ورنہ ''من آنم کہ من دانم'' احقر کو اس اعتراف میں کوئی باک نہیں بلکہ خوشی ہورہی ہے کہ ''اصلاح'' کی تو ضرورت ہی بفضلہٖ تعالیٰ پیش نہیں آئی البتہ کہیں کہیں معمولی لفظی ترمیم مناسب سمجھ کر کردی گئی یا ایسا کرنے کا مشورہ دیدیا ہے یا کسی جگہ وضاحت کی ضرورت محسوس ہوئی تو بے تکلف وہیں حاشیہ پر اپنے نام کی صراحت بھی کردی گئی ہے۔ یقیناً یہ ان کی خوش اخلاقی ہی کا کرشمہ ہے کہ ''مخمل میں ٹاٹ کے پیوند'' کو بھی انہوں نے گوارہ کرلیا، اللہ سے دعا ہے کہ وہ اس کتاب کو زیادہ سے زیادہ مقبول ومفید بنائے اور مصنف کو اجر جزیل کے ساتھ اس طرح کی دینی وعلمی خدمات کی بیش از بیش توفیق عطا فرمائے۔

''ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین آباد''

والسلام

احقر

محمد برہان الدین سنبھلی

دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنو

۱۲/ ذی قعدہ ۱۳۹۹ھ

مطابق ۵/ اکتوبر ۱۹۷۹ء جمعہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

نحمده ونصلى على رسوله الكريم

غالباً ۱۹۷۵ھ کی بات ہے کہ جبکہ تدریسی خدمات کے سلسلہ میں احقر کا قیام مدرسہ جامع العلوم کانپور میں تھا، ایک دن شہر کے ایک واقف کار متدین شخص نے بلٹز (بمبئی کا ایک کثیر الاشاعت اردو اخبار) کا تازہ شمارہ لاکر دیا اور یوں فرمایا کہ اس کے ایک مراسلہ کا جواب دینا ہے جو فیملی پلاننگ کے سلسلہ میں تھا، یہ زمانہ ایمرجنسی کے پرتشدد دور اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ''خاندانی منصوبہ بندی'' کے جنون کا تھا، اور بلٹز نے اس موضوع پر نشر و اشاعت کا ایک سلسلہ شروع کر رکھا تھا، مراسلہ مذکورہ کا حاصل صرف یہ تھا کہ قرآن و حدیث میں کوئی معقول دلیل فیملی پلاننگ کے خلاف موجود نہیں، زیادہ سے زیادہ ایک آیت اس کے رد میں کام آسکتی ہے، احقر نے ان کے اصرار و تاکید کی وجہ سے ایک سرسری جواب اس مراسلہ کا تحریر کیا ـــــ مگر پھر اس سلسلہ میں جب کتابوں سے مراجعت کی نوبت آئی تو ذہن میں ایک وسیع خاکہ تیار ہوگیا، احقر نے اس کو قلم بند کرنا شروع کیا تو مستقل ایک کتاب کی صورت ہوگئی۔

بہرحال کتاب پورے طور پر ہوگئی اور مضمون کی اہمیت اور اس وقت کی ضرورت کے پیش نظر اس کی اشاعت کی بھی فکر کی گئی لیکن اپنی تہی دستی اور اس سے زیادہ وقت کی ناسازگی کی وجہ سے اس کی نوبت نہ آسکی۔

احباب میں ذکر و تذکرہ کے نتیجہ میں ایک انجمن سے متعلق ایک دوست نے کتاب لے لی اور اس اضطراری دور میں خفیہ طور پر ایک جگہ سے دو ہزار کی تعداد میں اسے چھپوادیا، لیکن وہ پوری تعداد ایمرجنسی کا شکار ہوگئی اور پھر دوبارہ اس کی اشاعت کی کوئی صورت نہ نکل سکی، کوشش برابر جاری ہی حتیٰ کہ ''اسلامک بک سنٹر لکھنؤ'' کے

ذمہ داران نے احقر کی تمنا کو بروئے کار لانے کا ارادہ کیا اور بالآخر ان کی توجہ کے نتیجہ میں کتاب منظر عام پر آرہی ہے اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے۔

اس حقیقت کے اظہار میں بھی کوئی حرج نہیں ہے کہ احقر ایک بے بضاعت طالب علم ہے اکابر کی توجہ و عنایات کے نتیجہ میں درس و تدریس کے سلسلہ سے تعلق قائم ہے، اسی کے طفیل کچھ لکھنے پڑھنے کا کام ہوجاتا ہے، اپنی بساط بھر موضوع سے متعلق جو مراجع دستیاب ہوسکے ان سے استفادہ کیا، اور وافر معلومات جمع کرکے ان کی روشنی میں اپنی آراء کا اظہار کیا اور مزید تحقیق و اطمینان کیلئے اپنی ناچیز تحریر مولانا برہان الدین صاحب سنبھلی زید مجدہم ناظم مجلس تحقیقات شرعیہ ندوۃ العلماء کی خدمت میں پیش کی، اور انہوں نے کرم فرما کر پوری تحریر کا مطالعہ فرمایا اور اطمینان کا اظہار کیا، پھر بھی ان کا یہ اطمینان ایک طالب علم کی ہمت افزائی کی غرض سے ہوسکتا ہے، کتاب میں نقص و خامی کا ہونا ضروری ہے، اہل نظر سے نشاندہی کی توقع نہیں بلکہ درخواست ہے۔

آخر میں ناشران کے ساتھ میں اپنے برادر حقیقی خورد مولوی سید سعید حسن ندوی سلمہ (حال مقیم جامعۃ الامام محمد بن مسعود الاسلامیہ ریاض) کا بھی شکر گذار ہوں کہ انہوں نے اس تحریر کی نقل و اشاعت وغیرہ کے سلسلہ میں بڑی جدوجہد کی ہے، حق تعالیٰ ان کو ترقیات سے نوازے۔ آمین

والسلام

العبد محمد عبید اللہ الاسعدی غفرلہ
مقیم حال جامعہ عربیہ ہتورا، ضلع باندہ یوپی
۲۳/شوال المکرم ۱۳۹۹ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم

تخلیق عالم اور اس کا نظام طبعی

خداوند قدوس کی ذات واحد یکتا ہے، بے نیاز و بے احتیاج اور مختار کل ہے، بے شریک اور بے مثل و بے نظیر ہے، اس نے بلا شرکتِ غیرے اور بغیر کسی کی رائے و مشورے کا تعاون لئے ہوئے اس وسیع و عریض کائنات اور عجائب مخلوقات سے بھرے ہوئے عالم کو پیدا فرمایا ہے۔

مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ ـــــــ (۱)	میں نے ان کو نہ تو آسمان و زمین کے پیدا کرنے کے وقت (اپنی مدد یا مشورہ کیلئے) بلایا اور نہ خود ان کے پیدا کرنے کے وقت ـــــــ (۲)

اس نے اس عالم کو ایک انتظام سے پیدا فرمایا ہے، وہ چاہتا تو ایک آن کی آن میں محض ایک لفظ "کن" فرما کر یا جتنی دیر میں یہ لفظ زبان سے ادا ہوتا ہے صرف اتنی ہی گھڑی اور وقت میں ساری کائنات کو پیدا فرما دیتا، لیکن اس نے ایک نظام کے تحت اور اپنے بندوں کو "انتظام" کی تعلیم دینے کی غرض سے ساری کائنات کی خلقت کو "چھ دن" کی مدت پر تقسیم فرمایا جیسا کہ سورہ حم السجدۃ میں مذکور ہے اور احادیث میں بھی تفصیل منقول ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہودیوں نے حضور اکرم صلی

(۱) سورۃ الکھف رکوع ۷ (۲) آیات کا ترجمہ حسب موقع بیان القرآن یا تفسیر ماجدی سے لیا گیا ہے۔

اللہ علیہ وسلم سے آسمان و زمین کی خلقت کے متعلق سوال کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو دو دنوں (یعنی اتوار اور دوشنبہ) میں پیدا کیا، پہاڑوں کو منگل کے دن، باقی زمین پر پائی جانے والی تمام مخلوقات کو بدھ کے دن پیدا فرمایا، اور جمعرات کے دن آسمان کو اور جمعہ کے دن ستاروں، سورج اور چاند اور فرشتوں کو پیدا فرمایا، لیکن چند گھڑیاں اس دن کی بچ رہیں، ان میں حضرت آدم علیہ السلام کی خلقت فرما کر ان کیلئے سجدہ کا حکم دیا اور شیطان کو جنت سے نکال کر باہر کیا(۱)۔

تاثیر حقیقی اور تاثیر ظاہری

خلاصہ یہ کہ اس عالم اور اس کی بے شمار مخلوقات کو اپنی صفت خلق کے ذریعہ اولین وجود بخشا ہے، اس کے بعد ان کی بقاء اور بڑھوتری و زیادتی، ان کے افادہ و استفادہ کا معاملہ عمومی طور پر دو بنیادوں پر رکھا ہے، ایک خلق یعنی تاثیر حقیقی، دوسری کسب یعنی تاثیر ظاہری، خلق کو اپنے لئے رکھا ہے، اس لئے خالق اور موثر حقیقی اسی کی ذات ہے اور ہر شے میں حقیقی تاثیر اسی کے عمل و دخل اور تصرف نیز مشیت و مرضی سے پیدا ہوتی ہے اور کسب یعنی تاثیر ظاہری کو بندوں اور دیگر اسباب کیساتھ متعلق کیا ہے، چنانچہ اس کائنات کے بے شمار معاملات میں ظاہری تاثیر و اثر انہیں مخلوقات و اسباب کا دن رات دیکھا جاتا ہے۔

اس مضمون کو ذرا وضاحت سے یوں سمجھئے کہ اس عالم میں مثلاً پھل و پھول اور غلہ و ترکاری کے چند پودے اُگا دیئے اور اُسے قدرت ہے کہ اس کے بعد جب چاہے اور جتنے چاہے اسی طرح کے پودے پیدا فرماتا رہے لیکن ایک انتظام کے تحت اس نے آئندہ کے لئے ان کے بقاء اور ان میں اضافہ کو بندوں کی ظاہری تدابیر کے ساتھ متعلق کر دیا، جیسے کہ ان سے استفادہ کو ظاہری اسباب کے ساتھ متعلق فرمایا ہے مثلاً وہ چاہتا تو مخلوقات کی ضرورت کی چیزوں کو بغیر ان کی کسی جد و جہد کے ان تک پہونچا دیتا، لیکن اس کے بنائے ہوئے اس نظام کے تحت اب جب بندے پھول و پھل اور غلہ و ترکاری کے بیج زمین میں بوتے ہیں تو پودے نکلتے ہیں، حالانکہ وہ چاہتا

(۱) ابن کثیر: ۴/۹۴۔

تو اپنی قدرت سے بغیر بیجوں کے ان پودوں کو اگا دیتا۔

پھر بندے پانی اور دیگر ضروریات کے ذریعہ ان پودوں کی دیکھ بھال کر کے ان کو باقی رکھتے ہیں، ان کی پرورش کر کے بڑا کرتے ہیں جبکہ وہ اپنی قدرت سے بغیر اس دیکھ بھال کے ان کو باقی رکھ کر بڑھا سکتا تھا، پھر اس کے بعد کہیں پھل و پھول وغیرہ کے مرحلے آتے ہیں اور ہر مرحلہ آہستہ آہستہ گذرتا ہے، حالانکہ وہ چاہتا تو پودے پودے کو بلکہ اس کے پھل و پھول سب کو ایک ہی آن میں پیدا فرما دیتا، لیکن انتظاماً ان اشیاء کو استفادہ کے لائق بنانے میں اس نے تدریج اور آہستگی کے طریق کو اپنایا اور دراصل اس کا یہ نظام بہت سی حکمتوں پر مشتمل ہے جن میں سے ایک یہ ہے کہ اس کے ذریعہ بندوں کو تعلیم دینا مقصود ہے کہ اپنے معاملات کو انجام دینے میں عجلت سے کام نہ لے کر اطمینان و میانہ روی سے کام لیں تا کہ کام ہوش کی نگرانی میں ہو جوش سے خراب نہ ہو۔

پھر بھی اس نے ہر زمانہ میں اپنی قدرت کے مظاہرہ کے لئے اور بندوں کو اپنی قدرت کا یقین دلانے کیلئے یہ سلسلہ باقی رکھا ہے کہ بہت سے پیڑ و پودوں حتیٰ کہ پھلوں اور دیگر مفید ضروریات تک کو نیز بہت سی جاندار مخلوقات کو دنیا کے طول و عرض میں جگہ بجگہ بغیر ان اسباب اور واسطوں کے پیدا کرتا رہتا ہے۔

حاصل یہ کہ موثر حقیقی اسی کی ذات ہے اگرچہ ظاہراً اسباب سے متعلق نظر آتا ہے۔

اِنَّ رَبَّکُمُ اللّٰهُ — بلاشبہ تمہارا رب (حقیقی) اللہ ہی ہے جس
الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ — نے آسمان وزمین کو چھ دن (کی تعداد)
وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ — میں پیدا فرمایا پھر عرش پر (اس طرح)
ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ — قائم (اور جلوہ فرما) ہوا (جو اس کی شان
یُدَبِّرُ الْاَمْرَ (۱) — کے مناسب ہے) وہ ہر کام کی تدبیر کرتا ہے۔

☆☆ ☆☆

یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ — وہ آسمان سے زمین تک تمام امور کی
اِلَی الْاَرْضِ ——— (۲) — تدبیر کرتا ہے۔

---

(۱) سورۂ یونس، رکوع ۱۰ (۲) سورۂ سجدہ، رکوع ۱

سورہ واقعہ کے دوسرے رکوع میں اس سلسلہ کی مختلف چیزوں سے متعلق ایک خاص انداز میں یہی مضمون بیان کیا گیا ہے۔

جانداروں کی بقاء کے دو بنیادی اسباب

جس طرح باری تعالیٰ نے عالم کی دیگر مخلوقات کی بقاء کو ہر شی کے مناسب ظاہری اسباب کے ساتھ وابستہ فرمایا ہے اسی طرح جانداروں کی بقاء (پیدا ہونے کے بعد ان کے زندہ رہنے اور ان کی تعداد میں اضافہ ہونے) کو بھی چند ظاہری اسباب کے ساتھ وابستہ فرما دیا ہے، باوجود اس کے کہ جیسے اپنی قدرت سے ان کو اولین وجود بخشا تھا اسی طرح اپنی قدرت سے ان کو بغیر ان اسباب کے زندہ باقی رکھ سکتا تھا اور ان کی تعداد میں اضافہ فرما سکتا تھا، لیکن انتظاماً اس کے لئے دو بنیادی اسباب تجویز فرمائے اور بندوں کو ان کے اختیار کرنے کا حکم فرمایا، اول تغذیہ، دوم تنمیہ۔

تغذیہ یعنی غذا کا استعمال، تنمیہ یعنی ان کو بڑھاتے رہنا، یہ دونوں اسباب دو الگ الگ حالتوں سے متعلق ہیں، ایک حالت ہے ان کی نوع کی بقاء کیلئے وجود کو حاصل کرنا یعنی ان کے افراد کی تعداد میں اضافہ، دوسری حالت ہے وجود کو حاصل کرنے کے بعد اسے باقی رکھنا، یعنی پیدا ہونے کے بعد زندگی کی بقاء کی فکر کرنا، تغذیہ کا تعلق وجود و حیات کو باقی رکھنے سے ہے اور تنمیہ کا تعلق وجود کو حاصل کرنے یعنی افراد نوع میں اضافے سے ہے۔

قرآن کریم کی ایک آیت میں بھی اس کی طرف اشارہ موجود ہے، ارشاد ہے:

وَ اللّٰهُ جَعَلَ لَکُمْ مِنْ اَنْفُسِکُمْ — اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں میں سے
اَزْوَاجًا وَجَعَلَ لَکُمْ مِنْ — تمہارے لئے بیبیاں بنائیں اور ان
اَزْوَاجِکُمْ بَنِیْنَ وَحَفَدَةً — سے تمہارے بیٹے اور پوتے پیدا کئے۔

تنمیہ کے ذریعہ بقاء نوعی کی طرف اشارہ ہے اور اس کے آگے

وَرَزَقَکُمْ مِنَ الطَّیِّبٰتِ (۱) — اور اچھی اچھی چیزیں کھانے کو دیں

یہ بیان تغذیہ کے ذریعہ بقاء شخصی کی طرف اشارہ ہے (۲)

---

(۱) سورۂ نحل، آیت: ۶۸ (۲) معارف القرآن: ۵/۳۷۸

تغذیہ یا غذارسانی

تغذیہ جس کا تعلق جاندار کی حیات اور وجود کے بعد بقاء سے ہے اس سے مراد ہے بندہ کو اس کے مناسب غذا وخوراک پہونچانا، وہ چیزیں جن کے حاصل کئے بغیر جاندار کمزور ولاغر ہوتا چلا جاتا ہے، یہاں تک کہ اس میں چلنے پھرنے اور حرکت کی سکت نہیں رہ جاتی، اسی پر بس نہیں بلکہ ہوتے ہوتے بہت جلد روح اور جسم کا رشتہ ٹوٹ جاتا ہے۔

یوں ذات بے نیاز اپنی عالی صفات کی بنا پر قادر ہے کہ بدن کو بغیر کسی غذا و خوراک کے طاقت ور اور تندرست وتوانا رکھے لیکن اس کی حکمت کہ اس نے جاندار کے جسم کی بقاء وحیات کو تغذیہ سے متعلق کردیا، ظاہر ہے کہ تغذیہ کے لئے غذا و خوراک، اور رزق وروزی کی ضرورت ہوگی، اللہ نے اس کا بھی انتظام فرمادیا اور اس بات میں بھی اپنے اس دستور کو اپنایا کہ چند صورتیں اور شکلیں پیدا فرما کر بندوں کے سپرد کردیں، بندوں کی ان کی جانب رہنمائی کردی اور پھر اپنی عقل سے کام لینے کی راہیں بتا اور دکھادیں کہ انسان ان راہوں کو اختیار کر کے ان کے بقاء کی فکر کرے ان کے اضافہ کی تدبیر کرے، ان سے رزق وخوراک کے حصول کیلئے ذرائع بڑھانے کی صورتیں پیدا کرے، نیز غذا کے طور پر ان کے استعمال کی مناسب ومفید اور راحت بخش صورتیں بھی نکالے۔

رزق کی ذمہ داری خود خالق نے لے رکھی ہے

چونکہ ایک طرف تو جسم کی حیات اور بقاء کے لئے غذا کی حیثیت اصل الاصول کی ہے اور دوسری طرف ہر جگہ اور ہر انسان کے لئے یکساں طور پر اس کی فراہمی بھی مشکل ہے، پھر یہ کہ جس کو رزق بآسانی فراہم ہوجائے اس کا دوسروں کیلئے قربانی

دیکر اپنے حصہ اور اپنی ملکیت سے غذا کا انتظام کرنا بھی دشوار ہوتا ہے، نیز یہ کہ انسان فطرۃً جلد باز اور بے صبرا واقع ہوا ہے۔

اِنَّ الاِنْسَانَ خُلِقَ	انسان کم ہمت پیدا ہوا ہے، جب اس کو
هَلُوْعاً اِذَا مَسَّهُ	تکلیف پہونچتی ہے تو جزع وفزع کرنے
الشَّرُّ جَذُوْعاً وَ اِذَا	لگتا ہے اور جب فارغ البال ہو تو (حقوق
مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعاً ـــــ(۱)	ضروریہ سے) بخل کرنے لگتا ہے۔

حتیٰ کہ اس بات میں اس کی بے صبری اس کو اصل مقصد حیات سے دور رکھنے بلکہ دنیا وآخرت کی بھلائیوں سے محرومی نیز زندگی کا یکسر رخ بدل دینے کا باعث بن سکتی ہے، اس لئے خداوند قدوس نے اپنے کلام پاک اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک تعلیمات وفرمودات کے ذریعہ تمام انسانوں کے لئے اعلان کرادیا، اور جگہ جگہ موقع بموقع مختلف اسلوب وانداز سے واقعات وقصص کی روشنی میں اوامر ونواہی اور وعدہ و وعید کی صورت میں اس بات کا یقین دلایا ہے کہ رزق کا مسئلہ پورے طور پر ہمارے ہاتھ میں ہے، اور رزق ومال کی فراوانی وارزانی یعنی تنگ دستی وخوشحالی سب ہم سے وابستہ ہے اور ہماری مرضی ومشیت پر موقوف ہے لہذا تم اپنے فرض کی ادائیگی اور مقصد خلقت کے پورا کرنے میں لگے رہو، روزی رسانی کا کام ہمارا ہے تم اس کو فکر نہ کرو۔

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْاَرْضِ	(اور کوئی رزق کھانے والا جاندار روئے
اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا	زمین پر چلنے والا ایسا نہیں کہ اس کی
ـــــ(۲)	روزی اللہ کے ذمہ نہ ہو)۔

☆ ☆ ☆ ☆

وَكَاَيِّنْ مِنْ دَابَّةٍ	(اور بہت سے جانور ایسے ہیں کہ جو اپنی
لَاتَحْمِلُ رِزْقَهَا اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا	غذا اٹھا کر نہیں رکھتے (یعنی جمع نہیں
وَاِيَّاكُمْ ـــــ	کرتے) اللہ ہی ان کو (مقدر) روزی
ـــــ(۳)	پہونچاتا ہے اور تم کو بھی)

(۱) سورۃ معارج رکوع ۱ (۲) ھود رکوع: ۱ (۳) سورۃ عنکبوت رکوع: ۶

قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ـــــ (۱)

(کہہ دیجئے کہ میرا پروردگار ہی جس کو چاہتا ہے زیادہ روزی دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے کم دیتا ہے (اور اس میں حکمتیں ہوتی ہیں) لیکن اکثر لوگ اس سے واقف نہیں)

بلکہ قرآن کریم نے تو مال اور اس کی کثرت کو انسان کے حق میں فتنہ اور بڑی معصیت و ہلاکت قرار دیا ہے۔

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُکُمْ وَاَوْلَادُکُمْ فِتْنَةٌ ـــــ (۲)

(جان رکھو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد ایک آزمائش ہیں۔

☆ ☆ ☆ ☆

اَلْهٰکُمُ التَّکَاثُرُ ـــــ (۳)

(دنیوی سامان پر) فخر کرنا تم کو آخرت سے غافل کئے رہتا ہے)۔

اسی لئے تو انسان کی تخلیق کی غرض وغایت بیان کرتے ہوئے رزق کے مسئلے سے توجہ ہٹانے کی کوشش کی گئی ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ۔ مَآ اُرِیْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِیْدُ اَنْ یُّطْعِمُوْنِ ۔ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِیْنُ (۳)

اور میں نے جن اور انسانوں کو (دراصل) اس واسطے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کیا کریں، میں ان سے (مخلوق کی) رزق رسانی کی درخواست نہیں کرتا اور نہ یہ درخواست کرتا ہوں کہ وہ مجھکو کھلایا کریں اللہ خود ہی سب کو رزق پہونچانے والا (اور وہ) نہایت قوت والا ہے)۔

---

(۱) سورہ سبا، رکوع:۴ (۲) سورہ انفال، رکوع:۳ (۳) سورہ تکاثر

(۳) الذاریات رکوع:۳

اور اعمال صالحہ کا حکم فرماتے ہوئے اس پر رزق کا وعدہ فرمایا گیا ہے۔

وَاْمُرْ اَهْلَکَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَیْهَا لَا نَسْئَلُکَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُکَ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰی ـــــ (۱)

(اور اپنے متعلقین (گھر والوں کو یا مومنین کو (بھی) نماز کا حکم کرتے رہئے اور خود بھی اسکے پابند رہئے، ہم آپ سے معاش (کموانا) نہیں چاہتے، معاش تو ہم آپ کو دیں گے)۔

☆ ☆ ☆ ☆

مَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّیَرْزُقْهُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ ـــــ (۲)

جو اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کیلئے نجات کی شکل نکال دیتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے رزق پہونچاتا ہے جہاں سے اس کو گمان بھی نہیں ہوتا۔

اہل ایمان کو مال سے ہوشیار رہنے کی تاکید کی گئی ہے اس لئے کہ یہ چیز آدمی کو غفلت میں مبتلا کر دیتی ہیں۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِکُمْ اَمْوَالُکُمْ وَلَآ اَوْلَادُکُمْ عَنْ ذِکْرِ اللّٰهِ (۳)

اے ایمان والو تم کو تمہارے مال اور اولاد اللہ کی یاد (اور اطاعت) سے غافل نہ کر دیں۔

یہی نہیں بلکہ مال کی قلت اور معاشی پریشانیوں کو آزمائش اور امتحان بتایا گیا ہے، جس میں کامیابی اور صبر و ثابت قدمی یقینی طور پر انسان کیلئے بھلائی کا موجب ہوگی۔

وَلَنَبْلُوَنَّکُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ (۴)

اور ہم ضرور تمہارا امتحان کریں گے کسی قدر خوف سے اور فاقہ سے اور مال و جان اور پھلوں کی کمی سے۔

---

(۱) طٰہٰ رکوع:۸ (۲) الطلاق رکوع:۱ (۳) المنافقون، رکوع:۲

(۴) سورۂ بقرہ رکوع:۱۹

وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهُ ـــــ (۱) اور جو کوئی اللہ پر بھروسہ کرے گا سو اللہ اس کیلئے کافی ہے۔

تفصیل کا موقع نہیں ہے اس لئے روایات وواقعات سے صرف نظر کرتے ہوئے بس انہیں آیات پر اکتفا کی جاتی ہے۔

غور کا مقام ہے کہ اتنی نصوص صریحہ وصحیحہ جس میں اس مسئلہ کو مختلف انداز سے پیش کیا گیا ہے اور اس اہم الجھن کو حل کیا گیا ہے، ان کی موجودگی میں کیا کسی صاحب ایمان کیلئے اس کی گنجائش نکلتی ہے کہ اس باب میں خداوند قدوس کی ذات کے ساتھ ادنیٰ بے اعتمادی کا معاملہ کرے، کسی صاحب ایمان کیلئے اس کا گوارہ کرنا تو درکنار اس قسم کی بے اعتمادی جائز بھی نہیں ہے۔

توکل کے تین درجے

ہر انسان کے لئے اس باب میں اللہ تعالیٰ پر اعتماد و بھروسہ کرنا ضروری ہے، اور مسلمان کیلئے بالخصوص جس نے اللہ کے احکام ومرضیات کے سامنے اپنے آپ کو جھکا دینے کا عہد کر رکھا ہے موقع کی مناسبت سے یہ وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ علماء نے توکل کے تین درجے قرار دیئے ہیں:

اول: خداوند قدوس کو ہر باب میں مؤثر حقیقی اور فاعل مختار مان کر یہ اعتقاد رکھنا کہ کسی بھی معاملہ میں جو کچھ ہوتا ہے یا ہوگا اصلاً اسی کے کرنے سے ہوتا ہے اور اپنی ہر ضرورت میں اسی پر اعتماد کرنا، یہ درجہ خورد وکلاں اور عام وخاص ہر ایک کیلئے فرض ہے، اس میں ذرہ برابر بداعتقادی کفر قرار پائے گی۔

دوم: اس اعتقاد کے ساتھ کہ جس کا ذکر اوپر گذرا، ان اسباب ظاہری کا اختیار کرنا جن سے کسی نفع کا حاصل ہونا یا نقصان کا دفع ہونا یقینی ہو جیسے کھانا کہ اس سے بھوک مٹتی ہے اور بدن میں طاقت پیدا ہوتی ہے اور پانی پینا کہ اس سے پیاس بجھتی ہے، اس درجہ میں ہر شخص کیلئے ان اسباب کا اختیار کرنا ضروری ہے۔

(۱) الطلاق رکوع:۱

سوم: اس اعتقاد کے ساتھ ان اسباب ظاہری کا اختیار کرنا جن سے کسی نفع یا نقصان کا دفع یقینی تو نہ ہو مظنون یعنی گمان غالب کے درجہ میں ہو، جیسے مرض کے ازالہ کیلئے دوا کرنا، اسباب معیشت کا اختیار کرنا وغیرہ ان اسباب سے کسی نفع کا حاصل ہونا اور ضرر کا دور ہونا یقینی تو نہیں سمجھا جاتا لیکن گمان غالب ضرور ہوتا ہے اس درجہ کا اپنانا عوام کیلئے ضروری ہے اور خواص کیلئے اس کا ترک جائز ہے، خواص سے مراد وہ افراد ہیں جن کا تعلق اس مادی دنیا سے کم سے کم اور ذات باری سے زیادہ ہو، ان کا ظاہر و باطن دونوں اس پر شاہد ہوں (۱)

تحدید نسل کا تعلق کس درجہ سے ہے

زیر بحث مسئلہ یعنی تحدید نسل کا تعلق بنیادی طور پر پہلے درجہ سے ہے، اس لئے کہ اس منصوبہ کی حقیقی بنیاد اس خیال خام اور زعم باطل پر قائم ہے کہ افراد انسانی کی تعداد میں دن بدن اضافہ ہوتا جا رہا ہے اور دوسری طرف اسباب معیشت یعنی انسان کی سب سے اہم فطری ضروری غذا اور دیگر وہ امور جن کا اختیار کرنا انسان کیلئے ضروری ہے ان کے ذرائع وصورتیں محدود ہیں، یہ محدود ذرائع وصورتیں افراد کے ساتھ ان پر تقسیم ہوتے جائیں گے، حتیٰ کہ ایک وقت ایسا آجائے گا کہ ہر انسان کو محض اپنی ضرورت کے بقدر بھی اسباب معیشت میسر نہ ہوسکیں گے، نتیجۃً فقر وفاقہ اور ساری انسانیت ونسل انسانی کے ضیاع کی نوبت آجائیگی، کچھ تو اس بنا پر کہ زندہ رہنے کیلئے غذا نہ مل سکے گی اور کچھ اس بنا پر کہ افراد کی زیادتی کی وجہ سے آدمی سارے مال ومتاع کو اپنی اسی ضرورت کے پیچھے صرف کردے گا اور اپنی دوسری صلاحیتوں کے بنانے اور سنوارنے یعنی تعلیم وتربیت پر کچھ بھی خرچ نہ کرسکے گا، اس طرح گویا ذہنی طور پر ضیاع لازم آئے گا، لہٰذا انسانی شرح پیدائش اور افزائش نسل کے مسئلہ کو اپنے ہاتھ اور قابو میں اس طور پر کرلینا چاہئے کہ بقدر ضرورت ولادت وپیدائش کا سلسلہ باقی رکھا جائے اور اسباب معیشت کو ایک نظام کے تحت غذائی نیز تعلیم وتربیت کی ضرورت کے

(۱) ماخوذ از: بیان القرآن

پورا کرنے پر صرف کیا جائے، جب اس فلسفہ ومنصوبہ کی بنیاد یہ مذکورہ بالا خیال خام اور زعم باطل ہے تو اس کا حکم سمجھ لینا چاہئے کہ کیا ہو سکتا ہے کہ اس کو اپنانے میں توکل کے پہلے درجہ کا ترک اور اس سے معارضہ لازم آتا ہے اور ذکر کیا جا چکا ہے کہ درجہ اول کا اعتقاد فرض ہے اور اس کا ترک کفر ہے۔

حصول رزق کا تعلق اسباب ظاہری کیساتھ

جس ذات نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کیلئے من وسلویٰ اتارا، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خواص کیلئے آسمان سے سجا سجایا دسترخوان اتارا وہ اگرچہ ہر طرح سے اس پر بھی قادر ہے کہ رزق سے متعلق اپنے وعدوں کو غیر عادی طریقوں پر پورا کرے......اور ظاہری شکل وصورت میں آسمان سے رزق نازل فرمادے، اور بندوں کو اس کے لئے جو جدوجہد کمانے اور پکانے کی کرنی پڑتی ہے وہ بھی نہ کرنی پڑے، لیکن وہی اس کی مصلحت کو جانتا ہے جس کی بنا پر یہ مسئلہ بھی اس نے ظاہری اسباب کے ساتھ وابستہ کر رکھا ہے، انسان کو عقل کارفرما عطا کردی ہے، اور اس بسلسلہ میں اس سے کام لینے کا حکم فرمادیا ہے، اس لئے اب انسان کا فرض ہے کہ عقل سے کام لے کر غذا کے حصول اور اس میں اضافہ کی صورتیں نکال کر اپنے اس اہم مسئلہ کا حل تلاش کرے، یوں اس ضرورت کو پورا کرنے والے بنیادی اسباب واشیاء (یعنی اپنے اندر غذائیت رکھنے والی اشیاء) کو خود اس نے پیدا فرمادیا ہے، بندوں کو اپنی عقل سے کام لیکر ان میں اضافہ اور ان کے مناسب ومفید استعمال کی صورتیں پیدا کرنے کا حکم فرمایا ہے، لیکن ظاہر ہے کہ حکم کی بجا آوری حاکم کے متعین کردہ حدود میں رہ کر ہی کی جاتی ہے، ان حدود سے باہر ہو کر حکم کی بجا آوری نافرمانی شمار ہوتی ہے، مثلاً کسی شخص کے پاس ستر ڈھانکنے کو کپڑا نہ ہو اور اسے نماز پڑھنی ہو تو اس غرض سے اگر وہ کسی کا کپڑا چرا کر نماز پڑھے وہ نافرمان کہلائے گا، اس مسئلہ کا حل بھی حدود شرع میں رہتے ہوئے نکالا جائیگا، اس کیلئے کسی گناہ اور معصیت کو وسیلہ نہیں بنایا جائے گا کہ ایسے امور کو حصول رزق کا ذریعہ بنانا نصوص صریحہ کے خلاف ہے اور باری تعالیٰ کی ناراضگی کا

موجب ہے۔

تحصیل مال ورزق کی ہمت افزائی

چونکہ اسباب رزق کا اپنانا اور اپنے لئے سامان رزق کا فراہم کرنا اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے ذمہ کردیا ہے، اس لئے شریعت نے یعنی نصوص قرآنیہ اور احادیث نبویہ نے اس مسئلہ کی جدوجہد کو اہمیت دیتے ہوئے مختلف اہم عبادات کے ذکر کے ساتھ اس کیلئے حکم یا اجازت کو جمع فرمایا ہے، مثلاً سورہ جمعہ میں نماز جمعہ سے فارغ ہونے کے بعد حصول رزق کے مشاغل میں مصروف ہونے کا حکم فرمایا ہے، اس لئے کہ دن کا وقت وہ بھی دوپہر کے بعد کا اس سلسلہ میں بڑی اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ــ (۱)

پھر جب نماز پوری ہو چکے تو تم زمین پر پھرو اور خدا کی روزی تلاش کرو۔

حج کے احکام بیان کرتے ہوئے ارشاد ہے۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلاً مِنْ رَّبِّكُمْ ـــــــ (۲)

تمہارے لئے اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ تم اپنے پروردگار کے فضل کو (اس کے بتائے طریقوں سے) تلاش کرو۔

اس لئے کہ عرب جاہلیت میں حج کا موقع تجارتی نقطۂ نظر سے بڑی اہمیت کا حامل تھا اور عرب جاہلیت ہی میں کیا آج بھی یہی حال ہے، یہی نہیں بلکہ "شرعی احکام" کے سلسلہ میں اسباب رخصت کے ضمن میں اس سفر کا بھی ذکر کیا گیا ہے جو معاش کے لئے کیا جائے، تہجد کا ذکر کرتے ہوئے اور ساری رات تہجد میں گذارنے سے معافی کی اطلاع دیتے ہوئے ارشاد ہے:

عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَرْضٰى وَآخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ــــــــ (۳)

اسے یہ بھی معلوم ہے کہ تم سے بعض آدمی بیمار ہوں اور دوسرے بعض زمین پر سفر کریں گے اللہ کا فضل تلاش کرنے کی غرض سے۔

---

(۱) سورۂ جمعہ، رکوع۲ (۲) سورۂ بقرہ، رکوع:۲۵ (۳) سورۂ مزمل رکوع:۲

اس کے علاوہ بھی چند مواقع پر یہ ذکر آیا ہے، لیکن چونکہ یہاں اس سے زیادہ تفصیل کا موقع نہیں ہے اس لئے چند روایات ذکر کر کے ہم اصل موضوع کی طرف آنا چاہتے ہیں، روایات تو اس مضمون کی اتنی وافر مقدار میں ہیں کہ محدثین نے اپنی کتابوں میں ان روایات کے لئے مستقل ابواب قائم فرمائے ہیں۔

بخاری شریف کی ایک روایت ہے:
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''آدمی اپنی ہاتھ کی کمائی سے بہتر کھانا نہیں کھاتا''(۱)

ترمذی ونسائی وغیرہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے: ''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''سب سے اچھا مال وہ ہے جو تم اپنی کمائی سے کھاؤ''(۲)

بیہقی کی روایت ہے: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''حلال مال کا طلب کرنا بھی ایک فرض ہے، دوسرے فرائض کے بعد'' (یعنی نماز وغیرہ)(۳)

یہ احکام وترغیبات ان لوگوں کیلئے ہیں جو اپنے جسم وقویٰ کے اعتبار سے طلب معاش کیلئے جدوجہد کی استطاعت رکھتے ہوں اور جو بیچارے مجبور یا معذور ہوں ان کیلئے شریعت نے مالی اعتبار سے باحیثیت لوگوں کے اموال میں حصہ رکھا ہے اور مالداروں کو اس حق کے نکالنے کا حکم وتاکید کرتے ہوئے، نکالنے پر آخرت کے لئے ان سے وعدے اور نہ نکالنے پر سخت قسم کی وعیدیں بیان کی ہیں۔

---

(۱) مشکوۃ ص:۲۴۱ (۲) مشکوۃ ۲۴۲ (۳) مشکوۃ ص:۲۴۲

تنمیہ یا افزائش نسل

تنمیہ کے معنیٰ اصل میں ''بڑھانا'' اور ''اضافہ کرنا'' ہیں، یہاں اس سے مراد مخلوقات کی بقاء خصوصاً حیوانات اور بالاخص انسانوں کی بقاء کیلئے حیوانات اور انسانوں کی نسل میں اضافہ کرنا ـــــ یوں جس ذات والاصفات نے اول البشر وابو البشر حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کو بغیر ماں باپ کے، اور حضرت آدم کی زوجۂ مطہرہ ام البشر حضرت حوا کو بغیر ماں کے اور ابن مریم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کیا اس کی قدرت اس سے عاجز نہ تھی اور نہ ہے کہ نسل انسانی کے بقاء واضافہ کیلئے انہیں صورتوں میں سے کوئی صورت برقرار رکھے، اور ہر گھڑی اور ہر لحہ ہزارہا بلکہ لاتعداد افراد کو بغیر ظاہری اسباب کے واسطے کے پیدا فرماتا رہے، چنانچہ امام غزالی علیہ فرماتے ہیں:

> ''قدرت ازلیہ اس سے قاصر نہ تھی کہ بغیر کسی ازدواج واختلاط (یعنی باہمی میل جول) کے انسانوں کو پیدا کرتی رہتی لیکن اس کی حکمت نے تقاضا کیا کہ مسبباب کو اسباب کے ساتھ وابستہ کیا جائے (یعنی اسباب کے واسطے سے ان کو وجود دیا جائے) اگرچہ وہ (یعنی قدر ازلیہ) اس کی محتاج نہیں''(۱)

تحصیل وجود کا تعلق اسباب ظاہرہ کے ساتھ

یعنی بات وہی رہی کہ انتظاماً اس سلسلہ کو بھی اس نے ظاہری اسباب کے ساتھ یوں وابستہ فرما دیا ہے کہ ہر نوع حیوان کی دو دو صفتیں پیدا فرمائی ہیں نر اور مادہ یا ذکور و اناث جن کو انسانوں میں مرد وعورت سے تعبیر کرتے ہیں ظاہری اعضاء ہر صنف کے بڑی حد تک یکساں رکھے تاکہ ہر نوع کی ایک صنف دوسری صنف کو اپنی شکل وصورت

---

(۱) احیاء العلوم:۲/۱۲

کا دیکھ کر اس کی طرف متوجہ ہو، اور اس سے بدک کے بھاگے نہیں، ہاں بعض جزئی اعضاء میں ضرور فرق کیا گیا ہے، اور اس کے بعد ہر نوع کی بقاء وافزائش نسل کو اس کی دونوں صنفوں کے درمیان مخصوص اختلاط واجتماع کے ساتھ وابستہ فرمایا، اور اس کی مرضی کے مطابق اس انتظام کے جاری وساری رہنے کیلئے اس کو یوں تقویت بخش دی کہ ہر صنف میں ایک ایسا اندرونی داعیہ پیدا فرمایا کہ وہ اس داعیہ سے متاثر ومجبور ہو کر دوسری صنف کے قریب ہونے اور اس کے ساتھ مخصوص اختلاط پر مضطر اور بے چین ہو جائے اس داعیہ کو قوت شہوانیہ سے تعبیر کرتے ہیں، اور مخصوص اختلاط کو انسانوں کے لئے جماع وصحبت اور دیگر جانوروں کے لئے ''جفتی'' سے تعبیر کرتے ہیں۔

چند سوالات

اس مرحلہ پر پہونچ کر ذہن میں چند سوالات پیدا ہوتے ہیں، اول: یہ کیا ضروری ہے کہ ہر انسان اپنی اس خواہش کو بجھانے کی فکر کرے؟ دوم: اس خواہش کو پورا کرنے کیلئے یہ کیا ضروری ہے کہ نکاح ہی کیا جائے، نکاح کی مشروعیت کی کیا ضرورت تھی؟ سوم: نکاح کی مشروعیت کے بعد یہ کیا ضروری ہے کہ ہر انسان اولاد کیلئے فکر وسعی کرے؟

آئندہ آنے والی ساری تفصیلات انہیں سوالات کے جوابات پر مبنی ہیں۔

نکاح

اس عنوان کے تحت اس امر کی وضاحت مقصود ہے کہ شریعت نے کن مصالح کے تحت نکاح کو مشروع کیا ہے اور یہ کہ شرعاً نکاح کی کیا حیثیت ہے؟

مصالح نکاح

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اپنی شہرۂ آفاق کتاب احیاء العلوم میں رقم طراز ہیں ''نکاح میں مختلف فوائد ومصالح ہیں مثلاً حصول اولاد، کسر شہوت، (یعنی شہوت کا ٹوٹنا) گھریلو انتظامات، رشتہ داروں کی کثرت اور افراد خاندان میں اضافہ، اور ان سب کو نباہنے اور ان کے حقوق کی ادائیگی میں نفس کا مجاہدہ''۔

کسر شہوت

ان مصالح کے اجمالی ذکر کے بعد امام موصوف نے ہر ایک پر تفصیلی کلام فرمایا ہے:

''نکاح کا دوسرا اہم فائدہ شیطان سے محفوظ رہنا ہے، یعنی شہوت کے غلبہ کو توڑنا اور ختم کرنا، شہوت کے حملوں کو دفع کر کے ان سے خود کو محفوظ رکھنا، نگاہوں کا نیچے رہنا اور شرمگاہ کی حفاظت۔

انہی امور کی طرف حدیث ذیل میں اشارہ فرمایا گیا ہے:

اذا تزوج العبد فقد استکمل نصف الدین فلیتق اللہ فی النصف الباقی (۱)

جب بندہ نکاح کر لیتا ہے تو اپنے نصف دین کو محفوظ کر لیتا ہے، لہذا اس کو نصف باقی کے حق میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا چاہئے۔

(۱) مشکوٰۃ ج:۲، ص:۲۶۸

ایک اور موقع پر فرماتے ہیں:

"اس اعتبار سے کہ نکاح شہوت کو توڑتا ہے جس شخص میں نکاح کی بابت کوئی مانع نہ پایا جاتا ہو، اس کے لئے نکاح بڑی اہمیت کا حامل ہے، اس لئے کہ جب انسان پر شہوت کا غلبہ ہوتا ہے اور اس کی قوت تقویٰ اس کے مقابلے سے عاجز ہوتی ہے تو شہوت انسان کو فواحش و منکرات کے اختیار کرنے پر مجبور کرتی ہے، اسی لئے فرمایا گیا ہے:

الاتفعلوا تکن فتنة فی الارض و فساد عریض ——— (۱)

اگر تم اسے نہ کرو گے تو زمین میں فتنہ ہوگا اور بڑا فساد پھیلے گا۔

اور صاحب تقویٰ محض اعضاء کو تو شہوت کے تقاضوں پر عمل سے روک لیتا ہے کہ جماع نہ کرے، یا آنکھوں کا غلط استعمال نہ کرے وغیرہ لیکن دل کو اس سلسلہ کے وساوس و خیالات سے پاک رکھنا اور پاک کرنا اس کی طاقت و اختیار سے بھی باہر ہوتا ہے، بلکہ نفس میں برابر اس طرح کے وساوس آتے اور براگیختگی پیدا کرتے رہتے ہیں، جس سے قلب و ذہن تشویش میں مبتلا رہا کرتا ہے، حتیٰ کہ نماز جیسا مقدس اور اہم ترین عمل بھی ان خیالات سے پاک ہو کر ادا کرنا مشکل ہوتا ہے، حالانکہ دل ہی عبادات اور تعلق مع اللہ کے باب میں اصل الاصول ہے۔

ایک مشہور حدیث میں وارد ہے کہ انسان غلبہ شہوت کا علاج روزہ رکھ کر کرلیا کرے، اس سلسلہ میں امام موصوف فرماتے ہیں:

"روزوں سے علاج ضرور ہوتا ہے، شہوت کا زور ٹوٹتا ہے، لیکن اکثر کے حق میں یہ عمل بھی وساوس کو ختم کرنے میں سودمند نہیں ثابت ہوتا کیونکہ وسوسہ کا دفعیہ اس سے ہو جانا حدیث میں بھی نہیں بتایا گیا"

اسی لئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ عابد کی عبادت بغیر نکاح کے پوری نہیں ہو سکتی اور بعض اکابر مفسرین نے "وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا" (انسان تو کمزور پیدا کیا گیا ہے) کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ انسان عورتوں سے صبر نہیں کر سکتا، اور مختلف روایات سے اپنے اس قول کو مؤکد فرمایا ہے:

(۱) مشکوٰۃ: ۲/۲۶۷

تین اہم فائدے

اس کے بعد نکاح سے متعلقہ مصالح اور اس سے حاصل ہونے والے فوائد کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"نکاح کر کے عورت کے ساتھ میل جول، محبت و ملاطفت، ہنسی، مذاق میں قلب و ذہن کو ایک خاص لذت و راحت حاصل ہوتی ہے، جس کی طرف اس مشہور حدیث پاک میں اشارہ فرمایا گیا کہ "مجھکو تمہاری دنیا کی تین چیزیں محبوب ہیں: ۱-خوشبو ۲-عورت اور ۳-نماز" نیز شادی کے بعد بہت سی ضرورتوں کی ذمہ دار عورت بن جاتی ہے، کم از کم گھریلو چھوٹے بڑے کام وہی دیکھتی ہے (جس میں بچوں کی دیکھ بھال اور کھانے پینے کی ضرورتوں کا اہتمام وفکر شامل ہے) ذمہ داریوں کی اس تقسیم سے انسان کو بڑا سکون و فراغت قلب حاصل ہوتی ہے، حتیٰ کہ بعض حضرات نے ارشاد باری "فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً" (ہم اسے ضرور ایک پاکیزہ زندگی عطا کریں گے [النحل: رکوع: ۱۳]) کا مصداق نیک و صالح بیوی کو ہی بتایا ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایمان کے بعد سب سے بڑی نعمت نیک عورت ہے اور ایک حدیث پاک میں ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں:

أربع من أعطيهن فقد اعطى خير الدنيا والاخرة قلب شاكر و لسان ذاكر وبدن على البلاء صابر وزوجة لاتبغيه خونا فى نفسها ولا فى ماله ——— (۱)

چار چیزیں جس کو عنایت کر دی گئیں تو اس کو دنیا و آخرت کی بھلائیاں عطا کر دی گئیں، شکر گذار دل، ذکر کرنے والی زبان، مصیبت پر صبر کرنے والا جسم، اور بیوی جو کہ اس کے ساتھ کسی خیانت کا قصد نہ کرے نہ تو اپنی ذات میں (کہ کسی کے ساتھ حرام کام کرے) نہ اپنے شوہر کے مال میں۔

(۱) مشکوٰۃ، ص: ۲۸۳

نیز یہ کہ اہل وعیال کے پیچھے انسان کو ذہنی الجھنیں پیش آتی ہیں اور قلب پریشان ہوتا ہے اور یہ الجھنیں اور پریشانیاں اس کے لئے دنیا میں نفس کے مجاہدہ اور آخرت میں ترقی درجات کا سبب بنتی ہیں، یہ مذکورہ بالا نعمتوں پر مستزاد ہے(۱)۔

زنا کے مفاسد

حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اپنی مایۂ ناز کتاب ''حجۃ اللہ البالغہ'' میں بغیر نکاح کے خواہش نفس پورا کرنے کے مفاسد ونقصانات کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے، واضح رہے کہ حلال طریقہ پر اس خواہش کے پورا کرنے کا ذریعہ عرف شرع میں ''نکاح'' کہلاتا ہے اور حرام طریقہ کو ''زنا'' کہتے ہیں:

''زنا سے بہت مفاسد پیدا ہوتے ہیں مثلاً اختلاط انساب (انساب کا خلط ملط (یعنی جب نکاح کا سلسلہ نہیں ہوگا تو لامحالہ عورت کسی ایک مرد کے ساتھ خاص نہ ہوگی بلکہ اپنی خواہش مختلف مردوں سے پورا کرے گی جیسے مرد مختلف عورتوں سے اپنی خواہش پوری کریں گے، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک عورت سے خواہش پوری کرنے والے مختلف مردوں کے نسب آپس میں اس معنی کر خلط ملط ہوجائیں گے کہ اگر اس عورت سے کوئی بچہ پیدا ہوا تو چونکہ اس سے مختلف مردوں نے تعلقات قائم کئے ہوں گے، اس لئے یہ معلوم ومتعین نہ ہوسکے گا کہ یہ بچہ کس کے نطفے سے ہے، نہ عورت یقین کر سکے گی اور نہ مرد ہی کرسکیں گے (ہر مرد اپنا لڑکا بنانا چاہے گا اور عورت اس بچے کو ہر مرد کے ذمہ تھوپنا چاہے گی)
نیز جب عورت کسی ایک مرد کیلئے خاص نہ ہوگی تو ایک عورت سے خواہش پوری کرنے کا جذبہ رکھنے والے مرد آپس میں لڑیں جھگڑیں گے اور نتیجۂ فساد پیدا ہوگا''(۲)

خواہش نفس کو برانگیختہ کرنے والے اسباب ودواعی

حکیم الاسلام دہلویؒ نکاح کے رواج ومشروعیت کے فوائد وحکمتیں بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''انسان کی سب سے اہم خواہش اور سب سے زیادہ قلب ودماغ کو خراب کرنے والی نیز دنیا وآخرت کے مصائب وآفات میں ڈالنے والی چیز شرم گاہ کی خواہش ہے

(۱) احیاء العلوم:۲/۱۳ تا ۱۵ ملخصا (۲) حجۃ اللہ البالغہ:۲/ ۱۲۸

اور اگر صرف خواہش اور اندرونی جذبہ وداعیہ کا معاملہ ہوتا تو بھی غنیمت تھا، لیکن ہر موقع پر عورتوں کا نظروں کے سامنے سے گذرنا اس خواہش کو بڑھانے وبھڑکانے میں جلتی پر تیل کا کام کرتا ہے اسی لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''عورت شیطان کی صورت میں آتی ہے''(۱)۔

امر مذکور کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ہر امر کے لئے کچھ معاون ومددگار چیزیں ہوتی ہیں، جن سے اس کو تقویت ملتی ہے، اسی طرح ہر امر کیلئے کوئی نہ کوئی ایسی تدبیر ہوتی ہے جس سے اس کا زور ٹوٹتا ہے، عورتوں کی جانب میلان اور رجحان کا معاون اور اس کو بڑھانے والا یہ امر ہے کہ انسان کے جسم میں اللہ نے ''منی'' کے جمع ہونے کیلئے جو ظرف بنایا ہے وہ مادہ سے پر ہوجاتا ہے اور پھر اس میں بخارات (گیس) پیدا ہوتے ہیں جو وہاں سے اٹھ اٹھ کر دماغ تک پہونچتے ہیں، اور اس میلان کو ختم کرنے اور توڑنے کا ذریعہ و تدبیر یہ ہے کہ اس ظرف کو کسی طرح خالی کردیا جائے (یعنی مادہ منویہ کو باہر نکال دیا جائے) نیز یہ کہ جماع کی طلب وخواہش انسان کے دل کو مشغول کرتی ہے اور اس کا راحت وسکون چھین لیتی ہے اور اسے اپنے مطلوب ومقصود سے پھیر دیتی ہے، اس لئے اس کا علاج ضروری ہے اور قاعدہ ہے کہ اگر کسی چیز کا علاج وتدارک ذہن ودماغ پر چھانے سے پہلے پہلے کرلیا جائے تو معمولی جدوجہد وسعی کے نتیجے میں حاصل ہوجاتا ہے''(۲)

اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

''عورت شیطان کی صورت میں آتی جاتی ہے (جیسے شیطان گناہ کے جذبات پیدا کرتا ہے اسی طرح عورت انسان کو گناہ کی دعوت دیتا ہے یا یہ کہ جماع کی خواہش کو پیدا کرتی ہے) اور جب تم میں سے کسی کے دل میں کسی عورت کا کچھ خیال جم جائے تو فوراً اپنے گھر کا رخ کرے اور اپنی خواہش کو وہاں پورا کرے کہ یہ عمل دل میں پیدا ہونے والی گناہ کی گرمی کو ٹھنڈا کردے گا''(۳)

ایک اور موقع پر فرماتے ہیں:

''جب جسم انسانی میں منی کی پیدائش زیادہ مقدار میں ہوتی ہے تو اس کے بخارات

(۱) حجۃ اللہ البالغہ ج:۲ص:۱۸۲ (۲) حجۃ اللہ البالغہ ج:۲، ص:۱۲۴ (۳) مشکوٰۃ:۲/ ۲۶۸ بحوالہ مسلم

دماغ تک پہونچتے ہیں اور پھر اسے خوبصورت عورت کی طرف دیکھنا بھلا لگتا ہے اور اس کا دل عورت کی محبت میں مشغول ہو جاتا ہے حتیٰ کہ منی کا کچھ حصہ ذخیرہ گاہ سے شرم گاہ کی طرف منتقل ہو جاتا ہے تو اس پر صحبت و جماع کی خواہش غلبہ پا لیتی ہے اور یہ اکثر و بیشتر جوانی کے وقت میں ہوتا ہے۔

یہ چیز فطرت کے ان رجحانات میں سے ہے جو انسان کے لئے مقام احسان حاصل کرنے سے مانع بنتے ہیں، نیز یہ امر اس کے اندر زنا کی خواہش و رجحانات کو بھڑکاتا ہے اور اس کے اخلاق کو بگاڑ کر آپس میں اختلافات کے سخت جھگڑوں میں اسے پھانس دیتا ہے، اس لئے اس حجاب کو دور کرنا اور اس کا علاج کرنا بہت ضروری ہے جس کی صورت یہ ہے کہ اگر وہ جماع پر قادر ہے اور نکاح کی ذمہ داریوں کو نباہ سکتا ہے تو نکاح کرلے ورنہ روزے رکھے"(۱)

تجرد تعلیمات انبیاء کے خلاف ہے

تجرد یعنی ترک نکاح اور ازدواجی زندگی سے دور رہنا ـــــ اس سلسلہ میں امام دہلویؒ فرماتے ہیں:

"دوسرے مذاہب کے لوگوں کا طریقہ اللہ سے قرب حاصل کرنے اور نفس کو قابو میں رکھنے کیلئے، تجرد و ترک نکاح کا رہا ہے، ماضی میں بھی اور اب بھی، لیکن یہ طریقہ غلط ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء علیہم السلام کے لئے جس طریقہ کو پسند فرمایا وہ فطرت کی اصلاح اور اس میں پائی جانے والی کجی اور کمی کو دور کرنا ہے نہ کہ اس کے تقاضوں کو یکسر ختم کر دینا"(۲)

اسی لئے امام غزالیؒ نے فرمایا ہے:

"اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کا ذکر کرتے ہوئے ان کی تعریف میں فرمایا ہے:

۲۴ وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِنْ قَبْلِكَ وَ جَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّ ذُرِّيَّةً ـــــ (۳)

اور ہم نے یقیناً آپ سے پہلے بہت سے رسول بھیجے اور ہم نے ان کو بیویاں اور بچے بھی دیئے

اور بعض حضرات کا کہنا تو یہ ہے کہ قرآن کریم میں صرف شادی کرنے والے انبیاء کرام علیہم السلام کا ہی تذکرہ ہے۔

(۱) حجۃ اللہ البالغہ:۲/۱۲۳-۱۲۲ (۲) حجۃ اللہ البالغہ:۲/۱۲۳ (۳) سورہ رعد، رکوع:۱

یعنی ان حضرات کا جنہوں نے بشریت کے تمام تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے اپنے فریضہ کو انجام دیا حتیٰ کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے بھی نکاح فرمایا، اگرچہ صحبت نہیں کی، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی جب دنیا میں نزول فرمائیں گے تو نکاح فرمائیں گے"(۱)

اسباب مشروعیت ابن الہمامؒ کی نظر میں

فقہ حنفی کے مشہور محقق و عالم علامہ ابن الہمامؒ شارح ہدایہ (صاحب فتح القدیر) اسباب مشروعیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"نکاح کی مشروعیت کا سبب یہ ہے کہ اللہ نے اپنے علم کے مطابق...... جب تک کیلئے بقاء انسانی کو مقدر فرمایا ہے اس وقت تک کیلئے اس بقاء کو نکاح کے ساتھ متعلق کر دیا ہے، نیز بقاء کا اکمل و مکمل طریقہ پر ہونا مقصود ہے، اکمل و مکمل کی قید اس لئے لگائی گئی ہے کہ محض بقاء کے لئے تو کسی طرح کی وطی بھی کافی تھی لیکن چونکہ اس باب میں آزادی ایک دوسرے پر ظلم اور آپس میں خونریزی اور ضیاع نسب کا موجب بنتی اس لئے نکاح کی صورت کو مشروع کیا گیا"(۲)

ایک اور موقع پر فرماتے ہیں:

"اس کی مشروعیت گناہوں سے نفس کی حفاظت اور اولاد کے ذریعہ تحصیل ثواب کی وجہ سے ہے"(۳)

نکاح کے محاسن

نکاح کے محاسن و خوبیاں اور اس سے حاصل ہونے والے اہم فوائد کو علامہ ابن الہمامؒ نے بایں الفاظ ذکر فرمایا ہے:

"اخلاق کے سنوارنے، معاشرہ میں آپسی معاملات کی بابت صبر و تحمل کے ذریعہ نفس و باطن کی تربیت، نیز اولاد کی دیکھ بھال و نگہداشت ایک مسلمان کے ایسے گھریلو اور ذاتی مصالح کی انجام دہی جن سے وہ بسا اوقات عاجز رہ جاتا ہے، اعزہ پر خرچ، زوجین کی عفت و پاک دامنی، ایک دوسرے سے فتنہ و معاصی کا دفعیہ عورتوں کے گھریلو کاموں میں مصروف ہونے اور مردوں کے خارجی ضروریات کا

(۱) احیاء العلوم ج:۲ ص:۱۱ (۲) فتح القدیر:۲/۳۴۱ (۳) فتح القدیر:۲/۳۴۲

متکفل ہونے کی وجہ سے ان کے نان ونفقہ کا انتظام، نفس کی تادیب واصلاح اور اسے عبادت کی انجام دہی کیلئے تیار کرنا، وغیرہ مختلف اموروذمہ داریوں کے پورا کرنے کا ذریعہ اور معاون نکاح ہے"(۱)

مشروعیت نکاح کے مقتضی دواعی عقل وطبع

ہدایہ کی مشہور شرح عنایہ میں مذکور ہے:

"نکاح کی مشروعیت کیلئے دواعی شرع اور عقل وطبع تینوں ہی پائے جاتے ہیں"

اس کے بعد دواعی عقل وطبع کو بایں الفاظ ذکر کیا گیا ہے:

"ہر عقل مند کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ دنیا میں اس کا نام ونشان باقی رہے، جس کی صورت اور آسان ذریعہ بقاء نسل ہی ہے یہ تو عقلی داعیہ ہے، اور طبعی داعیہ یہ ہے کہ نرومادہ (مردوعورت) کی فطرت ہر دو کو آمادہ کرتی ہے کہ اللہ نے ان کے اندر جو شہوانی جذبات رکھے ہیں، ان کو وہ بروئے کار یعنی عملی تجربہ میں لائیں اور یہ امر اگر شرع کے حکم وطریقہ کے مطابق ہو تو کسی مذمت یا عیب کا باعث نہ ہوگا"(۲)

نکاح کا شرعی حکم

کسی چیز کی اہمیت سے واقف ہونے کے لئے اس سے وابستہ مقاصد کا جان لینا ہی کافی ہے کہ ہر فعل میں اصل اس سے وابستہ مقصد اور اس سے حاصل ہونے والا فائدہ ہوا کرتا ہے۔

محققین علماء اسلام کی زبان وقلم سے نکلے ہوئے نکاح کے مقاصد وفوائد اور محاسن کا ایک مختصر ساخاکہ ناظرین کے سامنے پیش کر دیا گیا، لیکن ہم مسلمانوں کیلئے ان عقلی و طبعی مقاصد ومحاسن کے جان لینے کے باوجود شرعی حکم اور قرآن وحدیث میں بیان کردہ اس کی خوبیوں کا جان لینا بھی ضروری ہے۔

نصوص قرآنیہ

قرآن میں مختلف مواقع پر مختلف اسلوب وانداز کے ساتھ نکاح کا حکم موجود ہے:

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ — اور عورتوں میں سے جو تم کو پسند ہوں

(۱) فتح القدیر:۲/۳۴۳ (۲) عنایہ علی ہامش فتح القدیر:۲/۳۳۹

مِنَ النِّسَاءِ مَثْنٰى وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ ——— (۱)

نکاح کرو، دو، دو عورتوں سے اور تین تین عورتوں سے اور چار چار عورتوں سے

☆☆

وَ اَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَ الصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَ اِمَائِكُمْ ——— (۲)

اور تم میں جو بے نکاح ہوں ان کا نکاح کر دیا کرو، اور تمہارے غلام اور لونڈیوں میں سے جو اسکے لائق ہوں ان کا بھی۔

اہل ایمان کی تعریف میں ارشاد ہے:

وَ الَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ اِلَّا عَلٰى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ——— (۳)

اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں، لیکن اپنی بیویوں سے، یا اپنی لونڈیوں سے، کیونکہ اس میں ان پر کوئی الزام نہیں۔

بلکہ نکاح کا حکم دیتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ——— (۴)

اگر وہ تنگدست ہوں گے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے انہیں غنی کر دے گا۔

احادیث نبویہ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات تو اس باب اور اس کے احکام سے متعلق بے شمار ہیں، ایک مشہور روایت کے الفاظ ہیں:

یا معشر الشباب من استطاع منکم الباءة فلیتزوج فانہ اغض البصرو احصن للفرج ومن لم یستطع فعلیہ بالصوم ——— (۵)

اے نوجوانو! تم میں سے جو مونت جماع (یعنی جماع کی ذمہ داریوں) کی استطاعت وقدرت رکھتا ہو وہ ضرور نکاح کر لے کہ نکاح نگاہ کو جھکانے والا اور شرمگاہ کی حفاظت کرنے والا ہے اور جو اس پر قادر نہ ہو اس پر روزہ رکھنا لازم ہے۔

(۱) سورۂ نساء، رکوع:۱ (۲) سورہ نور، رکوع:۴ (۳) سورہ مؤمنون، رکوع:۱ (۴) سورۂ نور، رکوع:۴ (۵) مشکوٰۃ:۲/۲۶۷ بحوالہ صحیحین

یعنی اس آگ کو سرد کرنے کی اصل صورت نکاح ہی ہے، اسی لئے ایک روایت میں یہ مضمون بھی وارد ہوا ہے:

اذا نکح العبد فقد استکمل نصف الایمان فلیتق اللہ فی النصف الباقی ــــــ (۱)	بندہ جب نکاح کر لیتا ہو تو اپنے نصف ایمان کو مکمل کر لیتا ہے (یعنی محفوظ کر لیتا ہے) لہذا اسے باقی نصف میں اللہ سے ڈرنا چاہئے۔

اس ارشاد کی بنیاد یہ ہے کہ انسان کی دو بنیادی خواہشیں ہیں: ایک پیٹ کی اور دوسری شرمگاہ کی۔ نکاح سے دوسری کا پورا انتظام ہو جاتا ہے، اس لئے ـــ ایک آزاد رہ جاتی ہے، اس کے پورا کرنے کیلئے تقویٰ کا حکم فرمایا گیا، اور اگر اس کا بھی معقول انتظام ہو جائے تو گویا پورا کا پورا ایمان شیطانی حملوں سے محفوظ ہو سکتا ہے، اگر بندہ احتیاط سے کام لیتا رہے، ایک روایت میں آپ سے یہ ارشاد بھی منقول ہے:

تزوجوا فان خیر ہذہ الامۃ أکثر نساء ــــــ (۲)	شادی کیا کرو اس لئے کہ اس امت میں سب سے بہتر وہ ہوگا جو سب سے زیادہ عورتوں والا ہو۔

فتح القدیر میں ایک مفصل روایت بایں الفاظ مروی ہے:

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عکاف بن وداعہ ہلالی سے دریافت فرمایا کہ تم شادی شدہ ہو؟ انہوں نے عرض کیا نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تو کیا تمہارے پاس کوئی باندی ہے؟ عرض کیا نہ باندی ہے۔ فرمایا حالانکہ تم صحت مند و دولت مند ہو، عرض کیا جی ہاں! اللہ کا فضل و احسان ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر تو تم شیطان کے دوستوں میں سے ہو۔ سنو! اگر تم راہبوں کی جماعت میں سے ہو تو انہیں میں جا کر رہو، اور اگر ہم سے تمہارا تعلق ہے تو جو ہم کرتے ہیں تم بھی وہی کرو ہماری سنت و طریقہ نکاح ہے، تم میں سب سے برے اور شر والے غیر شادی شدہ ہیں، اور سب سے بری موت مرنے والے بھی غیر شادی شدہ لوگ ہیں، اے عکاف! تم پر افسوس ہے شادی کر ڈالو" (۳)

(۱) مشکوٰۃ: ۲/۲۲۸ (۲) فتح القدیر: ۲/۳۴۳ (۳) فتح القدیر: ۲/۳۴۲

ترمذی کی ایک روایت ہے:

أربع من سنن المرسلین الحناء والتعطر والسواك و النكاح ــــــ (۱)	چار چیزیں رسولوں کی سنتوں میں سے ہیں: مہندی، خوشبو، مسواک، نکاح۔

ایک روایت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے متعلق مختلف چیزیں بیان فرمائیں تو یہ بھی فرمایا:

و أتزوج النساء فمن رغب عن سنتی فلیس منی ــــــ (۲)	اور میں عورتوں سے شادی بھی کرتا ہوں لہذا جو میری سنت و طریقہ سے اعراض کرے گا مجھ سے بے تعلق ہوگا۔

حکم فقہی

نصوص قرآن و حدیث کے ملاحظہ کے بعد اس کا علم بھی ضروری ہے کہ ان نصوص کے پیش نظر علماء و فقہاء نے نکاح کو کیا حیثیت دی ہے اور اس کیلئے کیا حکم تجویز کیا ہے اس بابت یہ بات تو عام طور سے مشہور ہے کہ نکاح سنت ہے، لیکن یہ حکم عام حالات کے اعتبار سے ہے اور ہر شخص اور ہر حال کیلئے نہیں ہے، آپ نے ابھی نصوص کا مطالعہ فرمایا کہ کتنی تاکید و صراحت کے ساتھ نکاح کا حکم فرمایا گیا ہے، یہی نہیں بلکہ بعض بعض مواقع پر اس کے مصالح کا بھی ذکر کیا گیا ہے، ایسی تاکید و صراحت اور ذکر مصالح کے ساتھ بہت کم احکام وارد ہوئے ہیں، اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ اسے ہر حال میں فرض قرار دیا جائے، لیکن شریعت چونکہ ہر حکم کی مشروعیت میں اس کے ذریعہ حاصل ہونے والے فوائد ہی کی رعایت نہیں کرتی بلکہ دیگر خارجی مصالح یعنی جن لوگوں سے اس حکم کا تعلق ہو، ان کے احوال کو بھی ملحوظ رکھتی ہے، تاکہ لوگوں کو اس حکم پر عمل کرنے میں کوئی تنگی و دشواری نہ پیش آئے۔

(۱) ترمذی: ۱/۱۲۸ (۲) مشکوٰۃ: ص: ۶۸

باعتبار حکم فقہی نکاح کی آٹھ صورتیں

اس لئے اس کو عمومی طور پر فرض نہیں قرار دیا گیا، بلکہ مختلف احوال کے اعتبار سے الگ الگ حکم تجویز کیا گیا، فقہاء نے نکاح کی بابت جہاں علماء کرام کے اختلافات پر بحث کی ہے، نکاح کی ان مختلف شرعی حیثیتوں کو بھی تفصیل کے ساتھ واضح فرمایا ہے، اور باعتبار حکم فقہی اس کی آٹھ صورتیں ذکر کی ہیں:

۱ ___ حقوق نکاح کی ادائیگی پر قدرت کے ساتھ اگر شہوت کا غلبہ اس درجہ کا ہے کہ خواہش کو پورے کرنے کیلئے گناہ میں پڑ جانا یقینی ہے تو نکاح فرض ہے۔

۲ ___ حقوق نکاح کی ادائیگی پر قدرت کے ساتھ، اگر اس درجہ شہوت کا غلبہ ہے کہ گناہ میں پڑنا یقینی تو نہیں لیکن ظن غالب اس کا ضرور ہے تو نکاح واجب ہے۔

۳ ___ قید اول کے تحت اگر غلبہ شہوت نہیں ہے بلکہ اعتدال ہے تو نکاح سنت مؤکدہ ہے، بشرطیکہ ادائیگی سنت اور نکاح سے وابستہ مقاصد کے حصول کی نیت سے نکاح کیا جائے۔

۴ ___ قید اول کی رعایت نیز ادائیگی سنت اور نکاح سے وابستہ مقاصد کے حصول کی نیت کے ساتھ سنت مؤکدہ تو نہیں لیکن مستحب ضرور ہے جبکہ شہوت اعتدال کے درجے میں بھی نہ ہو بلکہ خواہش بہت کم ہو۔

۵ ___ قید اول کی رعایت کے ساتھ بغیر کسی قسم کی نیت کے مباح ہے خواہ شہوت درجہ اعتدال میں ہو یا اس سے کمتر، اسی طرح اگر حقوق نکاح کی عدم ادائیگی کا خطرہ ہے لیکن معمولی درجہ میں تو اس صورت میں بھی مباح ہے۔

۶ ___ حقوق نکاح کی ادائیگی پر عدم قدرت کا یقین ہو تو حرام ہے۔

۷ ___ حقوق نکاح کی عدم ادائیگی کا ظن غالب ہو تو مکروہ تحریمی ہے۔

۸ ___ حقوق نکاح کی ادائیگی پر قدرت کے ساتھ کسی ناپسندیدہ وصف مثلاً مال ودولت، حسن، حسب ونسب وغیرہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے نکاح کرنا مکروہ تنزیہی ہے (۱)

مذکورہ بالا فقہی تفصیل کی روشنی میں اگر حالات کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ کسی نہ کسی درجہ میں اکثر لوگوں کو نکاح کرنے کا حکم ہے، ممانعت کی صورتیں بمقابلہ جواز کی صورتوں کے کم ہی متحقق ہوتی ہیں، اس لئے بہت کم لوگ اس حکم سے مستثنیٰ رہ سکیں گے۔

(۱) فتح القدیر: ۲/۳۴۳-۳۴۲، شامی: ۲/۳۵۹-۳۵۷

ولاد

نکاح کی بابت شریعت کا نظریہ اور اس کے احکام تفصیل کے ساتھ سامنے آچکے ہیں، اب شریعت کی روشنی میں ''ولاد'' (توالد وتناسل) کو ملاحظہ فرمائیے، نکاح کی طرح اس کی بابت بھی قرآن کریم اور احادیث نبویہ میں تصریحات وتاکیدات موجود ہیں۔

نصوص قرآنیہ

قرآن کریم میں حضرت نوح علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعوت وتبلیغ وتوحید کا ذکر کرتے ہوئے، گناہوں سے استغفار اور طلب معافی کے ثمرات کے بیان میں اولاد کے دینے اور ان میں اضافہ کا بھی ذکر ہے، اور ظاہر ہے کہ کسی کام پر آمادہ کرنے کیلئے اس سے حاصل ہونے والے اہم فوائد کا ہی ذکر کیا جاتا ہے، ارشاد ہے:

اِسۡتَغۡفِرُوۡا رَبَّكُمۡ اِنَّه	تم اپنے پروردگار سے گناہ بخشواؤ بے
كَانَ غَفَّارًا يُرۡسِلُ عَلَيۡكُمۡ	شک وہ بڑا بخشنے والا ہے، کثرت سے تم
مِدۡرَارًا وَيُمۡدِدۡكُمۡ	پر بارش بھیجے گا اور مال واولاد میں ترقی
بِاَمۡوَالٍ وَبَنِيۡنَ ___ (۱)	دے گا۔

ایک موقع پر ولید بن مغیرہ کو عطا کی جانے والی خاص خاص نعمتوں کا شمار کرتے ہوئے ارشاد ہے:

وَ جَعَلۡتُ لَهٗ مَالًا مَّمۡدُوۡدًا	اور اس کو کثرت سے مال دیا اور رہیں
وَ بَنِيۡنَ شُهُوۡدًا ___ (۲)	رہنے والے بیٹے۔

سورہ قلم میں اسی ولید بن مغیرہ کی سرکشی کے اسباب کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد ہے:

(۱) سورۂ نوح، رکوع: ۱ (۲) سورۂ مدثر، رکوع: ۱

اَنْ کَانَ ذَا مَالٍ وَ بَنِیْنَ ــــــــ (۱)
اس کو مال واولاد کے ہونے نے سر کش ونافرمان بنادیا۔

سورۂ کہف کے پانچویں رکوع میں دو افراد کا قصہ بیان کیا گیا ہے، ایک خوشحال اور دین سے دور تھا اور دوسرا تنگ دست مگر دیندار، ہردو کے درمیان ہونے والی گفتگو کا ذکر کرتے ہوئے خوشحال شخص کا یہ قول بھی نقل کیا گیا ہے۔

اَنَا اَکْثَرُ مِنْکَ مَالًا وَ اَعَزُّ نَفَرًا ــــــــ (۲)
میں تجھ سے مال میں بھی زیادہ ہوں اور میرا مجمع بھی زبردست ہے۔

مذکورہ بالا مواقع پر اولاد کا ذکر یہ بتاتا ہے کہ دنیا کے اعتبار سے اولاد بہت بڑی نعمت ہے۔

امام غزالی علیہ الرحمۃ کی تصریح کے مطابق قرآن مجید نے مقام مدح میں حضرات انبیاء علیہم السلام کے لئے ذریت کا ہونا نقل کیا ہے(۳)

نیز قرآن کریم کی بعض اہم دعاؤں میں اولاد کی طلب کا ذکر ہے مثلاً حضرت زکریا علیہ السلام جو عمر کے آخری مرحلہ میں تھے، پھر بھی دنیوی نعمت ہونے بنا پر اولاد کی خواہش رکھتے تھے، چنانچہ انہوں نے بڑی طلب وتمنا کے ساتھ اولاد کیلئے دعا فرمائی(۴)

رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَ ذُرِّیّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْیُنٍ ــــــــ (۵)
اے ہمارے پروردگار ہم کو ہماری بیویوں اور ہماری اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما۔

انسان کی غفلت ولاپروائی اور بدکاری کے اہم اسباب میں مال کے ساتھ اولاد کا بھی ذکر کیا گیا ہے، جیسا کہ عنوان ''تغذیہ'' کے تحت بعض آیات نقل کی جاچکی ہیں، اس کے علاوہ بھی بہت سی آیات میں اولاد کا ذکر ہے، حتیٰ کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی دعاؤں میں اپنی اولاد کے لئے صلاح وطاعت کی طلب کا ذکر ہے(۶) یہی نہیں

(۱) سورۂ قلم، رکوع:۱ (۲) سورۂ کہف، رکوع:۵ (۳) احیاء العلوم:۲/۱۱ (۴) سورہ آل عمران، رکوع:۴ وسورۂ مریم، رکوع:۱ (۵) سورۂ فرقان، رکوع:۶ (۶) سورۂ بقرہ، رکوع:۱۵

بلکہ آخرت میں اہل جنت کو عطا کی جانے والی نعمتوں میں ''اولاد'' (اہل وعیال) کا بھی ان کے ساتھ رہنا بیان کیا گیا ہے(۱)

ارشادات نبویہ

اس باب سے متعلق روایات بھی کثیر تعداد میں ہیں مثلاً ایک روایت میں مذکور ہے:

تزوجوا الودود الولود فانی مکاثر بکم الامم ــــــــ (۲)
بے انتہا محبت کرنے والی اور خوب بچے جننے والی عورت سے شادی کیا کرو اسلئے کہ میں تمہاری (کثرت کی وجہ سے) دوسری تمام امتوں پر کثرت میں فخر کروں گا۔

فتح القدیر میں اسی مضمون کی روایت ان الفاظ میں منقول ہے:

تناکحوا، تناسلوا تکثروا فانی مکاثر بکم الامم یوم القیامة ــــــــ (۳)
نکاح کرو، نسل چلاؤ، نسل میں خوب اضافہ کرو، اس لئے کہ میں قیامت کے دن تمہاری کثرت اولاد سے دوسری تمام امتوں پر فخر کروں گا۔

تحصیل اولاد کی ایک اہم مصلحت

گذشتہ صفحات میں امام غزالی علیہ الرحمۃ اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمۃ دونوں کی عبارات وتصریحات سے یہ بات عیاں ہوچکی ہے کہ نکاح کے اہم مقاصد و فوائد میں سے حصول اولاد بھی ہے حتیٰ کہ شریعت نے جن چیزوں کو مقصود بنا کر نکاح کیا جاتا ہے ان میں تحصیل اولاد کی نیت کا شمار واعتبار سب سے زیادہ کیا ہے، شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں:

''چونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو طبعاً مہذب پیدا فرمایا ہے اور اس نے یہ ارادہ فرمایا کہ نوع انسانی تناسل کے ذریعے اس دنیا میں باقی رہے، اس لئے یہ ضروری

(۱) سورۂ رعد، رکوع:۳ وسورۂ طٰہٰ، رکوع:۱ (۲) مشکوٰۃ:۲/۲۶۷ بحوالہ ابوداؤد ونسائی (۳) فتح القدیر:۲/۳۴۲

ہے کہ شریعت تناسل (یعنی نسل کو بڑھانے اور چلانے) میں زیادہ سے زیادہ رغبت دلائے، اور تناسل کو روکنے و ختم کرنے نیز اس کے اسباب کو ختم کرے شدت کے ساتھ روکے"(۱)۔

امام غزالی علیہ الرحمۃ مقاصد نکاح میں سے مقصد اول یعنی تحصیل اولاد پر کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"نکاح کا اولین مقصد و فائدہ اولاد ہے بلکہ یہی اصل الاصول ہے حتیٰ کہ کسر شہوت بھی دوسرے درجہ پر ہے، اس لئے کہ ابقاء نسل (یعنی نوع انسانی کی بقاء) کے مقصود و مطلوب ہونے کی بنا پر نکاح کی وضع ہی دراصل حصول اولاد کیلئے ہے، شہوت کو تو محض اس مقصد پر آمادہ کرنے اور اس کو بروئے کار لانے کیلئے پیدا فرمایا گیا ہے کہ نر اور مرد کے اندر یہ جذبہ و قوت بیج کے ڈالنے اور مادہ و عورت کے اندر کھیتی (یعنی بیج کی آبیاری) کا موقع فراہم کرنے پر آمادہ کرتی ہے، اور اس لطیف حیلہ سے یہ قوت دونوں کے ایک دوسرے کے ساتھ اختلاط کے بعد اولاد کو وجود و جنم دینے کا سبب بنتی ہے جیسے کہ کسی پرندے کا اگر شکار کرنا ہو تو جال پر دانہ ڈالنے کا لطیف حیلہ بھی اختیار کرنا پڑتا ہے تا کہ وہ جال میں آنے پر آمادہ ہو جائے"(۲)

مصالح نکاح کے بیان میں عنایہ سے نقل کیا جا چکا ہے کہ اپنے نام و ذکر کا بقاء ہر انسان کی عقلی و فطری خواہش ہوتی ہے، جس کی عام اور سہل الحصول صورت اولاد ہی ہے(۳)

تحصیل اولاد کے اخروی فوائد

ایک موقع پر امام غزالی علیہ الرحمۃ یہ ذکر کرتے ہوئے کہ اللہ نے انسان کے اندر شہوانی جذبہ رکھا ہے اور وہ اپنی فطرت سے اصلاً اسی جذبہ کی بنا پر نکاح کی صورت اختیار کرنے پر مجبور ہوتا، فرمایا کہ اگر اللہ نے انسان کے اندر یہ جذبہ نہ بھی رکھا ہوتا تو نکاح کے ذریعے حاصل ہونے والی اولاد چونکہ چار وجوہ سے انسان کیلئے آخرت کے ثواب کا بھی باعث بنتی ہے، اس لئے اسے نکاح کرنا چاہئے تھا اور کرنا چاہئے، اس کے بعد ان چاروں وجوہ کی تفصیل ان الفاظ میں فرمائی:

(۱) حجۃ اللہ البالغہ: ۲/۱۳۴ (۲) احیاء العلوم: ۲/۱۳ (۳) عنایہ مع الہدایہ: ۲/۳۳۹

اول: چونکہ اللہ تعالیٰ نے ایک مدت کیلئے انسان کی بقاء تجویز فرمائی، اور اس کی ایک ظاہری صورت تحصیل اولاد ہے، اس لئے اس سلسلہ میں کوئی بھی سعی خداوند قدوس کی منشا کی تکمیل ہے اور اس سے محبت کی دلیل ہے۔

دوم: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے...... افراد امت میں زیادہ سے زیادہ اضافہ کی ترغیب دی ہے اور اس کی تاکید فرمائی ہے، لہذا نکاح کے ذریعہ تحصیل اولاد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس منشا کی تکمیل کا ذریعہ ہے، نیز آپ کے منشا کو پورا کرنے کا ذریعہ ہونے کی وجہ سے آپ کی محبت کے حصول کا سبب ہے۔

سوم: ایک حدیث میں آتا ہے کہ جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے اعمال کا سلسلہ بالکل ختم ہو جاتا ہے لہذا اس سلسلہ سے حاصل ہونے والا ثواب بھی اس کے حق میں بند ہو جاتا ہے، لیکن اگر اپنے مرنے پر تین چیزیں چھوڑ جائے تو حصول ثواب کا سلسلہ جاری رہتا ہے، اول: صدقہ جاریہ کر جائے (مثلاً کنواں یا تالاب یا حوض بنوا جائے یا سرائے و مسافر خانہ یا مسجد وغیرہ کچھ بنوا جائے)، دوم: کوئی کتاب چھوڑ جائے (خواہ خود لکھ کر یا خرید کر وقف کی صورت میں)، سوم: نیک لڑکا جو اس کیلئے دعا کرتا رہے۔ لہذا تحصیل ولد وفات کے بعد نیک اولاد کی دعاؤں کے ذریعہ برکت و ثواب کے حصول کا ذریعہ ہے۔

چہارم: اگر کوئی اولاد حالت صغر سنی میں مرجائے تو قیامت میں اس کیلئے سفارش کا ذریعہ بنے گی، اس لئے کہ حدیث میں یہ مضمون وارد ہوا ہے(۱)

تفصیل گذشتہ کا خلاصہ

گذشتہ تفصیلات سے یہ امر بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ حصول اولاد نیز کثرت و تعدد اولاد کیوں مطلوب ہے؟

کثرت اولاد: کثرت نسل انسانی کا سبب بنے گی جس کے ساتھ نوع انسانی کا بقاء مقدر و متعلق ہے۔

(۱) احیاء العلوم: ۲/۱۴ ملخصاً

کثرت اولاد: امت محمدیہ (صلی اللہ علی صاحبہا) کے افراد کی کثرت کا بنے گی، جس پر آپ قیامت میں فخر فرمائیں گے۔

کثرت اولاد: کثرت دعا نیز خیر وبرکت کا باعث بن کر اخروی درجات کے حصول وترقی کا ذریعہ بنے گی، یہ تو اس وقت ہے جب کہ ساری اولاد زندہ رہے اور صالح ومتقی ہو ورنہ جو زندہ بچیں گے وہ اس سعادت کا ذریعہ بنیں گے اور جو مر جائیں گے وہ آخرت میں زیادہ سے زیادہ رحمت وشفاعت کا باعث بنیں گے

مذکورہ بالا تفصیل سے خود بخود یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ اولاد کی پیدائش سے بچنے کا تو ذکر ہی کیا، تقلیل اولاد وتحدید نسل بھی سراسر اسلام اور اسلامی اصول وتعلیمات، مصالح شرعیہ وعقلیہ اور دواعی فطریہ، نیز منشاء خدا ورسول سب کے خلاف ہے۔

تحدید نسل کی صورتیں

ہمارا موضوع بحث تو اصلاً ''تحدید نسل'' یا ''فیملی پلاننگ'' ہے، اب تک کہ ساری تفصیلات آئندہ آنے والی بحث کیلئے تمہید کی حیثیت رکھتی ہیں، نیز آئندہ جو کچھ عرض کرنا ہے اس تفصیل سے اس کی تقویت بھی مقصود ہے۔

''تقلیل اولاد'' یا ''تحدید نسل'' کی اصلاً دو صورتیں ہیں: اول یہ کہ اولاد کو حصول کے بعد ضائع کر دیا جائے، خواہ ضیاع کا ذریعہ کچھ بھی ہو، دوسری یہ کہ شروع ہی میں اولاد کی پیدائش سے بچنے کی تدابیر اختیار کی جائیں، حصول اولاد کی اس دوسری صورت میں بھی دو پہلو نکلتے ہیں:

اول: یہ کہ اعضاء میں کچھ تبدیلی یا تغیر کر لیا جائے۔

دوم: یہ کہ بغیر کسی تغیر کے کوئی اور ذریعہ استعمال کیا جائے۔ اس طرح کل تین صورتیں ہوتی ہیں:

سب سے پہلی صورت کو ہم ''اولاد سے اعراض'' کا عنوان دیتے ہیں، جس کے تحت قتل اولاد اور اسقاط کا ذکر کیا جائے گا۔ اور دوسری صورت کو ''توالد سے اعراض'' کا عنوان دے کر ضمنی صورتوں پر ''نس بندی'' اور ''عزل'' سے ملتی جلتی تدبیروں کے عنوان سے بحث کریں گے۔

دلائل شرعیہ

قبل اس کے کہ زیر بحث موضوع پر گفتگو شروع کی جائے، اس امر کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ بعض حضرات اس سے صرف نظر کر کے کہ کسی حکم کے ثابت کرنے کے سلسلہ میں قرآن مجید اور اس کی نص صریح کا کیا مقام ہے، مسئلہ زیر بحث یعنی تحدید نسل کی بابت یہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں تو بس صرف ایک آیت ہے جس سے اس کی ممانعت معلوم ہوتی ہے اور منکرین جواز کے پاس بس صرف یہی ایک معقول دلیل ہے، اس سے قطع نظر کہ منکرین کے پاس قرآن وحدیث کے کتنے دلائل ہیں ہم پہلے یہ ذکر کرنا چاہتے ہیں کہ اگر کسی مسئلہ سے متعلق صرف ایک دلیل ہو تو اس کی وحدت کی بنا پر اسے رد کر دیا جائے گا، یا یہ کہ اس کی قوت اور دلیل ہونے کے اعتبار سے اس کی حیثیت کو دیکھا جائے گا۔

اس ضمن میں ہم یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ اصولی طور پر کسی حکم کے لئے دلیل کیا کیا چیزیں بن سکتی ہیں، اور ہر ایک کا کیا درجہ ہے، اس لئے دلائل شرعیہ کا ایک اجمالی اور اصولی جائزہ پیش خدمت ہے۔

شریعت کے دلائل اربعہ: کسی چیز کے جواز وعدم جواز کی بابت شرعاً چار چیزوں سے استدلال کیا جاتا ہے جیسا کہ تمام اصول فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے، اور شرعی دلیل ہونے کے اعتبار سے باعتبار قوت ان کی جو ترتیب ہے اسی کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہر کتاب میں ان کا بیان موجود ہے، یعنی اول قرآن مجید، دوم سنت، سوم اجماع، چہارم قیاس، جس ترتیب سے ان چاروں کا ذکر کیا گیا ہے باعتبار قوت ان کی یہی ترتیب ہے، یعنی دلائل کا اعتبار اور انکار اسی ترتیب کے پیش نظر ہوگا۔

قرآن کریم چونکہ کلام باری تعالیٰ ہے اس لئے ہر قسم کے نقص وکمزوریوں سے پاک ہے، لہذا سب سے پہلا اور قوی درجہ قرآن مجید کو حاصل ہے، باری تعالیٰ کے

بعد سب سے مستند ذات و ہستی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے اور سنت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال اور افعال اور احوال وغیرہ کے مجموعہ کو کہتے ہیں، اس لئے سنت قرآن مجید کے برابر تو نہیں لیکن اس کے بعد کا درجہ اسی کو حاصل ہے، یعنی کسی موقع پر اگر قرآن مجید و سنت کے درمیان ظاہری تعارض واقع ہو تو قرآن مجید کو ترجیح ہوگی ہاں یہ کہ حدیث کی حیثیت بھی کسی خاص وجہ سے باعتبار قوت کے قرآن مجید جیسی ہو جائے، مثلاً یہ کہ حدیث متواتر یا مشہور ہو۔

متواتر سے مراد یہ ہے کہ ایک بڑی جماعت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی اسے نقل کرتی ہو اور ان کے بعد ہر مرحلہ پر ایسی ہی بڑی جماعت راوی ہو یا یہ کہ اتنی بڑی جماعت تو نقل نہ کرتی ہو جس سے تواتر کے درجے کو پہنچے لیکن پھر بھی کافی آدمی اسے نقل کرتے ہوں (کم سے کم مرحلہ پر تین افراد یا اس سے زیادہ)۔

تیسرے درجہ کی دلیل اجماع ہے، یعنی کسی وقت کے تمام علماء امت کا (خواہ عہد صحابہ کے ہوں یا بعد کے) کسی ایک بات پر متفق ہو جانا اجماعیت کی وجہ سے اجماع کو بھی بڑی قوت حاصل ہے بلکہ اس کا شمار بھی دلائل قطعیہ میں ہے، اگرچہ اس کے ذریعہ کسی آیت قرآنیہ کو رد نہیں کر سکتے۔

چوتھے درجے کی دلیل قیاس ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ایک معاملہ جس کا حکم شارع سے قرآن وسنت میں منقول نہ ہو، قرآن یا سنت میں بیان کردہ کسی مسئلہ سے اس مسئلہ کا حکم نکالا جائے، اس بنا پر کہ ہر دو معاملات میں کوئی ایسی علت پائی جاتی ہو جو مشترک ہو۔

اقسام ادلہ باعتبار ثبوت و دلالت

قرآن مجید اور سنت سے ماخوذ دلائل کی استنباط مسائل کے حق میں، علماء نے چار قسمیں کی ہیں، یعنی ان کے ثبوت نیز اپنے مفہوم اور مراد پر دلالت کرنے کے اعتبار سے۔

۱۔ قطعی الثبوت و قطعی الدلالۃ:- جس کے نہ تو ثبوت میں کوئی شبہ ہو اور نہ ہی اس

کے مفہوم میں کوئی اختلاف، اس کا مصداق وہ آیات قرآنیہ ہیں جن کے مفہوم و مراد کی بابت علماء کرام کا اتفاق ہو اور کوئی اختلاف نہ ہو۔

۲۔ قطعی الثبوت ظنی الدلالۃ:- جس کا ثبوت شبہ سے خالی ہو۔ لیکن مفہوم و مراد میں اختلاف ہو، اس کا مصداق وہ آیات قرآنیہ ہیں جن کے مفہوم و مراد میں علماء کا اختلاف ہے۔

۳۔ ظنی الثبوت قطعی الدلالۃ:- جس کے ثبوت میں شبہ ہو، لیکن مفہوم و مراد میں اتفاق ہو، اس کا مصداق وہ احادیث ہیں جو متواتر و مشہور نہ ہوں اور نہ ان کی مراد میں کوئی اختلاف ہو۔

۴۔ ظنی الثبوت ظنی الدلالۃ:- جس کے ثبوت میں شبہ ہو، اور معنی و مراد میں بھی علماء کا اختلاف ہو اس کا مصداق وہ روایات ہیں جو متواتر و مشہور نہ ہوں اور ان کی مراد میں علماء کا اختلاف ہو۔ حدیث متواتر و مشہور عموماً پہلی قسم کے تحت شمار ہوتی ہے۔

قسم اول سے فرضیت و حرمت کا ثبوت ہوتا ہے، باقی سے وجوب و سنیت اور کراہیت تحریمیہ کے قرائن ہوں تو اُن کا ثبوت ہوتا ہے اور سنیت و کراہت تنزیہیہ کے قرائن ہوں تو ان کا، ورنہ استحباب و خلاف اولیٰ کا ثبوت ہوتا ہے، کبھی اول سے بھی فرضیت و حرمت کے ماسوا کا ثبوت ہوتا ہے جیسے کہ ان دلائل سے اباحت کا بھی ثبوت ہوتا ہے(۱)

اس مختصر اور اجمالی جائزہ کے بعد ہم عرض کرتے ہیں کہ جیسا کہ ذکر کیا گیا دلائل اربعہ کی قسم اول یعنی قرآن مجید سے ثابت ہونے والا الحکم قطعی ہوتا ہے اور اس میں کوئی تغیر نہیں کیا جا سکتا، خواہ وہ حکم فرض ہو یا حرام، ہاں یہ کہ دوسری اسی درجہ کی دلیل سے اس حکم کا نسخ یعنی ختم ہو جانا ثابت ہو جائے تو دوسری بات ہے۔

لہٰذا ایسے لوگوں سے جو انکار کی صرف ایک دلیل کے قائل ہیں، ہماری عرض ہے کہ یہ دلیل قرآن مجید کی ہے اور قسم اول سے تعلق رکھتی ہے یعنی اپنے ثبوت اور معنی و مفہوم دونوں کے اعتبار سے قطعی ہے، اس سے ثابت ہونے والا الحکم یعنی حرمت قتل اولاد یقینی ہے اور یہ کہہ کر کہ یہ تو صرف ایک دلیل ہے اسے رد کر دینے کا حق کسی کو نہیں پہونچتا۔

(۱) العرف الشذی، ص: ۳۷ و ۳۸ و شامی: ۱/۶۴

اولاد سے اعراض

اگر چہ ترتیب کا طبعی تقاضہ تو یہ ہے کہ پہلے "توالد سے اعراض" پر بحث کی جائے اس لئے کہ توالد یعنی ولادت کے نتیجے میں اولاد ہوتی ہے لیکن چونکہ اس موضوع سے متعلق صریح نصوص قرآنیہ موجود ہیں، نیز یہ کہ یہ بحث ذرا مختصر بھی ہے اس لئے اسے مقدم کردیا گیا۔

اولاد سے اعراض کی دوصورتیں ہیں، جیسا کہ ذکر کیا جاچکا ہے، اول: قتل اولاد یعنی پیدائش کے بعد کسی ذریعہ سے انہیں ختم کردینا۔ دوم: اسقاط حمل یعنی پیدائش سے پیشتر جنین (یعنی حمل) کا ضائع کردینا۔

قتل اولاد

آیات قرآنیہ:-- یعنی پیدائش کے بعد کسی ذریعہ بچے کو مارڈالنا اور جان سے ختم کردینا، قرآن مجید میں متعدد مواقع پر مختلف اسلوب وانداز میں اس مسئلہ کا ذکر موجود ہے۔

۱- سورۂ انعام میں محض بیان واقعہ کے طور پر فرمایا گیا ہے:

وَ كَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَاۗؤُهُمْ ـــــــ (۱)

اوراسی طرح بہت سے مشرکین کے خیال میں ان کے معبدوں نے اپنی اولاد کے قتل کرنے کو مستحسن بنارکھا ہے۔

۲- سورۂ الفرقان میں صلحاء کے اوصاف ذکر کرتے ہوئے ارشاد ہے:

وَ الَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ

اور جو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کی پرستش نہیں کرتے اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ

---

(۱) سورۂ انعام، رکوع:۱۶

وَ لَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ـــــــ (۱)

نے حرام فرمایا ہے اس کو قتل نہیں کرتے ہاں مگر حق پر۔

۳- سورۂ تکویر میں قیامت کی ہولناکیوں کے ضمن میں یہ بھی مذکور ہے:

وَ اِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ـــــــ (۲)

اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائیگا کہ وہ کس گناہ میں قتل کی گئی؟

۴- سورۂ الممتحنہ میں تو تصدیق واظہار ایمان کیلئے عورتوں سے لی جانی والی بیعت کے ذکر میں ایک شرط یہ بھی بیان کی گئی ہے:

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰۤى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا وَّ لَا يَسْرِقْنَ وَ لَا يَزْنِيْنَ وَ لَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ ـــــــ (۳)

اے پیغمبر! جب مسلمان عورتیں آپ کے پاس آئیں تو آپ ان سے ان باتوں پر بیعت کریں کہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کریں گی اور نہ اور نہ چوری کریں گی اور نہ بدکاری کریں گی اور نہ بدکاری کریں گی اور نہ اپنی اولاد قتل کریں گی۔

۵- سورۂ انعام اور سورۂ بنی اسرائیل کی آیتوں میں تو صراحت کے ساتھ قتل اولاد سے ممانعت مذکور ہے:

وَ لَا تَقْتُلُوْۤا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ـــــــ (۴)

اور اپنی اولاد کو فقر کے سبب قتل مت کرو۔

وَ لَا تَقْتُلُوْۤا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ـــــــ (۵)

اوراپنی اولادکو ناداری کے اندیشے سے قتل مت کرو۔

توضیح آیات

اگر چہ اس سے پہلے کسی موقع پر آیات کی تفسیر وتوضیح نہیں پیش کی گئی ہے لیکن

---

(۱) سورۂ فرقان، رکوع:۶ (۲) سورۂ تکویر، رکوع:۱ (۳) سورہ ممتحنہ، رکوع:۲ (۴) سورۂ انعام، رکوع:۱۹ (۵) سورہ بنی اسرائیل، رکوع:۴

چونکہ ان آیات کا تعلق مسئلہ زیر بحث کی ایک شق سے ہے اس لئے ان آیات کے سلسلے میں کچھ عرض کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

پہلی آیت کے تحت اگرچہ ایک صورت یہ بھی آتی ہے کہ اولاد کو بطور عبادت قتل کیا جائے یعنی بتوں وغیرہ پر بھینٹ چڑھانے کیلئے جیسا کہ کتب خازن ورازی وغیرہ میں مذکور ہے اس لئے کہ دور جاہلیت میں بہت سے لوگ یہ نذر مانا کرتے تھے کہ اگر ہمارے اتنے لڑکے ہوئے تو ایک قربان کردیں گے، چنانچہ یہ واقعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد خواجہ عبداللہ کے ساتھ بھی پیش آیا تھا کہ آپ کے دادا خواجہ عبد المطلب نے نذر فرمائی کہ تھی کہ اگر دس جوان لڑکے ہوئے تو ایک کو قربان کردونگا، یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ کتب سیر وتواریخ میں مذکور ہے (۱)

لیکن اس آیت کے تحت بھی مفسرین نے فقر وفاقہ کے ڈر سے اولاد کے قتل کا ذکر کیا ہے (۲)

دوسری آیت میں اگرچہ ایک عام بات ذکر کی گئی ہے لیکن حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک روایت سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ اس کا تعلق بھی فقر وفاقہ کے ڈر سے اولاد کو قتل کردینے سے ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

حضور اقدس صلی اللہ سے دریافت کیا گیا کہ کون سا گناہ سب سے بڑا ہے، فرمایا: "یہ کہ اللہ کے ساتھ تو کسی کو شریک بنائے حالانکہ اس نے تجھ کو پیدا کیا"، عرض کیا گیا کہ اس کے بعد کون سا؟ فرمایا: "یہ کہ اپنی اولاد کو اس ڈر سے قتل کردے کہ وہ تیرے ساتھ کھائیگا" الخ

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کے بعد اس کی تصدیق میں یہ آیت نازل ہوئی (۳)

پانچویں چھٹی آیت میں تو اسی مضمون کی تصریح ہے اگرچہ کتب تاریخ میں اور عام بات یہی مشہور ہے کہ اہل عرب صرف اپنی بچیوں کو زندہ درگور کرتے تھے محض اس

(۱) ابن ہشام علی زادالمعاد: ۱/۸۲-۸۳ والخازن: ۳/۱۸۸ وغیرہ (۲) الخازن علی ابن کثیر: ۲/۱۷۹
(۳) ابن کثیر: ۳/۲۲۶

بات پر عار وشرم محسوس کرکے کہ ان کی شادی کرکے گویا اپنی عزت دوسروں کو دینی پڑے گی، لیکن مفسرین نے اس کے ساتھ اس خیال کا بھی ذکر کیا ہے کہ لڑکی باپ کا مال کھائے اور استعمال کرے گی لیکن کچھ کما کر نہیں لائے گی، روایات میں اس کی تصریح ہے، اوپر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جو ارشاد نقل کیا گیا ہے وہ بھی اس پر دلالت کرتا ہے کہ عربوں میں بچوں کے قتل کا رواج اس بنیاد پر بھی تھا، بہرحال تقریباً ان تمام آیات کی تفسیر میں مفسرین نے اس مذموم غرض سے بچوں کے قتل کا ذکر کیا ہے (۱)

مولانا عبدالماجد صاحب دریا آبادیؒ اپنے تفسیری حواشی میں فرماتے ہیں:

> "متعدد جاہل قوموں کا نظریہ رہا ہے کہ افراد کا سیہ چونکہ عورتوں میں نہیں بلکہ صرف مردوں ہی میں پیدا ہوتے ہیں اس لئے عورت کو قومی دولت میں شرکت کا اور اس کے لئے زندہ رہنے کا بھی کوئی حق نہیں" (۲)

تنبیہ

ان آیات سے متعلق ایک بات یہ بھی یاد رکھنے کی ہے کہ ان آیات کا سیاق و سباق مزید اس ممانعت کو موکد کرتا ہے اور اس فعل کی شناعت کو ظاہر کرتا ہے اس لئے کہ تقریباً ہر موقع پر اس کا ذکر ایسے امور کے ساتھ کیا گیا ہے، جنہیں شریعت نے کبائر میں سرفہرست قرار دیا ہے یعنی شرک، زنا، دوسروں کی حق تلفی غیبت وغیرہ اور سورۂ تکویر میں اگرچہ ان امور کا ذکر نہیں ہے لیکن قیامت کی ہولناکی میں اسے بھی شامل کرکے ذکر فرمایا گیا ہے۔

یہ چھ آیات ان آیات کے علاوہ ہیں جن میں ناحق کسی کا خون کرنے سے منع کیا گیا ہے، اس ممانعت کے حق میں وہ آیات ان پر مزید ہیں، نیز اس سلسلے کی ان آیات کو اگر مستقل دلیل قرار دیا جائے تو اس کی شناعت وممانعت کے حق میں یہ امر مستزاد ہوگا۔

(۱) تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو تفسیر رازی: ۴/۱۷۴، ۵/۱۶۱ و ۴۶/۵ و ۴۹۹ و ابن کثیر ۲/۱۸۸ و ۳/۳۸ و ۲۲۶ و روح المعانی: ۸/۳۲ و ۱۵/۶۶ و ۱۹/۴۷ وغیرہ (۲) تفسیر ماجدی پاکستانی: ۵۸۴

اسبابِ قتل

ان آیات اوران سے تعلق رکھنے والی آیات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عربوں میں قتل اولاد کارواج تین وجھوں سے تھا: اول: نذر۔ دوم: فقرو فاقہ کا خیال۔ سوم: عاروشرم کا احساس۔ اوران آیات میں اس کی شناعت وصریح ممانعت سے معلوم ہوا کہ بچوں کا قتل خواہ کسی وجہ سے ہواور خواہ کسی صورت سے ہو جائز نہیں ہے، اس لئے کہ آیت میں قتل کی ممانعت ہے اور قتل کا مطلب ہے جان کا ختم کردینا، جس کے لئے کوئی خاص صورت یا عمل متعین نہیں ہے۔

ان اسباب قتل میں سے دوسرا سبب فقرو فاقہ کا پایا جانا یا اس کا خوف ہے، ہردو (یعنی فقرو فاقہ پایا جائے یا اس کا خدشہ ہو دونوں) کی وجہ سے قتل کی ممانعت ہے اس لئے کہ پانچویں اور چھٹی آیات جن میں بچوں کے قتل سے روکا گیا ہے، ان میں سے اول میں فرمایا گیا ہے وَ لَاتَقْتُلُوْا اَوْلَادَکُمْ مِنْ اِمْلَاقٍ (اور اپنی اولاد کو فقر کے سبب قتل مت کرو) اور دوم میں فرمایا گیا: لَاتَقْتُلُوْا اَوْلَادَکُمْ خَشْیَۃَ اِمْلَاقٍ (اپنی اولاد کو فقرو فاقہ کے ڈر اور خدشہ سے قتل نہ کرو) یعنی دونوں میں ایک لفظ کا فرق اور اختلاف، اس کی بنیاد اس نکتہ کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ خواہ فقر فی الحال پایا جاتا ہو یا آئندہ تمہیں اس کا اندیشہ ہو کسی صورت میں اس کی رعایت مدنظر رکھتے ہوئے بچوں کو قتل نہ کرو۔

نظریۂ تحدید نسل کا صریح رد

قرآن مجید نے اس نظریہ کی بنیاد پر بچوں کے قتل کی ممانعت کر کے گویا فلسفہ و تحریک تحدید نسل کی بنیاد ہی کو ختم کردیا، اس لئے کہ ہم پیچھے اشارہ کرچکے ہیں کہ اس تحریک کی بنیاد اس خیال خام اور مزعومۂ باطل پر ہے کہ کل کو لوگ زائد ہو جائیں گے تو کہاں سے کھائیں گے، چنانچہ مولانا عبدالماجد دریاآبادیؒ (جن کے تفسیری حواشی اس حیثیت سے نہایت قیمتی اور مفید ہیں کہ انہوں نے اپنے حواشی میں جگہ جگہ عصر حاضر میں پائے جانے والے نظریات وتحریکات سے تعرض کیا ہے، جیسا کہ اہل کتاب

(یہود ونصاریٰ) کے متعلق مفید معلومات قلم بند فرمائی ہیں، خصوصاً انگریزی حاشیہ میں) اپنے حواشی میں فرماتے ہیں:

"یہاں ارشاد یہ فرمایا گیا ہے کہ وہ معاشی نظریہ بہت ہی غلط قسم کا ہے جو نسل کو گھٹانے اور محدود کرنے کی طرف لے جاتا ہے معاشیات کے صحیح قوانین ہی دوسرے ہیں یہ قتل اولاد کی ملعون رسم، دختر کشی (یعنی لڑکیوں کی زندہ درگوری اور قتل) کے علاوہ ہے مقصود اس سے تمام تر روکنا ہے افلاس کا ذکر اس لئے فرمایا کہ فلاسفہ مادین اور مفکرین جاہلیت اپنے نظریہ کی عقلی توجیہہ عموماً یہی کرتے ہیں، چنانچہ آج جاہلیت فرنگ کے زیر سایہ جو شاندار تحریک قتل اولاد کی خفی وباریک صورت "منع حمل" کے نام سے جاری ہے اس کا محرک بھی یہی افلاس ہے"(۱)

ایک اشکال وجواب

مولانا موصوف کے حواشی میں جو منع حمل کا ذکر آیا ہے اس پر یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ آیت میں قتل کی ممانعت ہے اور قتل ہے کسی جاندار چیز کی جان کو ختم کردینا جو پیدا ہونے کے بعد ہی ممکن ہے اور منع میں حمل اس کا سوال پیدا نہیں ہوتا اس لئے کہ وہاں تو پیدائش ہی نہیں ہوتی۔ پھر قتل کے تحت اسے کیسے شمار کیا جاسکتا ہے، اس اشکال و اعتراض کا احساس خود مولانا اور دیگر مفسرین نے کیا ہے چنانچہ مولانا عبارت بالا کے بعد فرماتے ہیں:

"بعض علماء سلف نے آیت کے ان الفاظ سے عزل (یعنی منع حمل بلا آلات منع استعمال کئے ہوئے) کے عدم جواز پر بھی استدلال کیا ہے"

اس کے بعد قرطبی کی عبارت تائید میں نقل کی ہے جس میں اس اعتراض کا جواب بھی مذکور ہے، علامہ قرطبی اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"اس آیت سے ان لوگوں نے بھی استدلال کیا ہے جو عزل کو منع کرتے ہیں اور اس استدلال کی اہم وجہ یہ ہے کہ زندہ درگوری سے موجود (پیدہ شدا) ناپید ہو جاتا ہے، نیز نسل بھی مٹتی ہے اور عزل اصل نسل کو ختم کرتا ہے، اور اس کے وجود میں آنے سے مانع بنتا ہے، اس لئے دونوں یکساں اور ایک دوسرے کے مشابہ ہیں (لہذا آیت

(۱) تفسیر ماجدی:۳۱۹

کے تحت دونوں کی ممانعت ہوگی) ہاں یہ کہ جیتی جاگتی جان کو ختم کرنا زیادہ برا اور بڑے گناہ کا باعث بھی ہے"(۱)

مجوزین تحدید نسل کے خیال خام کا علاج ودفعیہ

قتل اولاد کی ایک اہم بنیاد فقر وفاقہ یا اس کا خوف رہا ہے اور اگر یوں کہیں تو بیجا نہ ہوگا کہ چونکہ یہ کتاب ابدی دستور حیات کے طور پر انسانوں کو عطا کی گئی ہے، اور اس بنا پر آئندہ پیدا ہونے والے تمام فاسد نظریات کے جوابات کا صراحۃً یا اشارۃً اس میں بیان کرنا ضروری تھا، اس لئے نزول تو اس کا چودہ سو سال پیشتر ہوا، لیکن تردید اس میں اس نظریہ وفلسفہ کی بھی کردی گئی ہے جو تیرھویں چودھویں صدی میں ظاہر ہوا اور اس نے زور پکڑا۔

بہرحال خلاصہ یہ کہ مجوزین تحدید نسل نے جس خیال خام کو اپنے دماغوں میں بسا رکھا ہے اور جس پر اپنی ساری تحریک کی عمارت کھڑی کر رکھی ہے، یعنی مسئلہ رزق و معاش، قرآن مجید نے ان ہر دو آیتوں (جن میں بچوں کو فقر وفاقہ کی وجہ سے قتل کر دینے سے روکا ہے) میں اس نہی وممانعت کے بعد یہ بھی ذکر فرمایا ہے کہ جس چیز کا خوف وخطرہ تمہیں اس شنیع وقبیح حرکت پر آمادہ کر رہا ہے وہ تو ہمارے ہاتھ میں ہے جس طرح ہم ہی اسے آج ان کے اور تمہارے لئے حل کر رہے ہیں، اسی طرح ہم ہی اسے کل تمہارے اور ان کیلئے حل کریں گے، چنانچہ ارشاد ہے:

لاتقتلوا اولادکم من املاق اور لاتقتلوا اولادکم خشیة املاق مضمون دونوں مواقع پر ایک ہے، البتہ جیسے پہلے جزء میں ممانعت قتل کے بیان میں ہلکا سا فرق یہ موجود ہے کہ پہلی جگہ "من املاق" اور دوسری جگہ "خشیة املاق" فرمایا گیا ہے جس کی حکمت ومصلحت بھی پہلے ذکر کی جاچکی ہے۔

اسی طرح جزء ثانی یعنی ذکر معاش میں بھی ہلکا سا فرق ہے اور وہ یہ کہ پہلی جگہ مخاطب کا ذکر پہلے اور بچوں کا ذکر بعد میں ہے اور دوسری جگہ بچوں کا ذکر پہلے اور مخاطب کا ذکر بعد میں ہے۔

(۱) تفسیر ماجدی:۳۱۹

جزء ثانی میں یہ فرق جزء اول کے پیش نظر کیا گیا ہے کہ پہلے موقع پر چونکہ "فقر موجود" کا ذکر ہے اس لئے گویا یوں فرمایا کہ جیسے تم کو دے رہے ہیں ان کو بھی دیں گے اور دوسرے موقع پر چونکہ "فقر متوقع" کا ذکر ہے اس لئے گویا یوں فرمایا کہ ہم ان کو بھی پہنچاتے رہیں گے جیسے تم کو اب تک پہنچاتے رہے(۱)

قتل اولاد کے مفاسد، اور ممانعت کے مصالح

امام رازیؒ قتل اولاد کے مفاسد بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اولاد کا قتل اگر فقر وفاقہ کے خیال سے ہو تو یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بدگمانی ہے اور اگر غیرت وشرم کی بنا پر ہو تو تخریب عالم ہے، امر اول اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور اعتقاد ربوبیت کے خلاف ہے، اور امر ثانی اللہ کی مخلوق پر شفقت کے منافی ہے، حاصل یہ کہ دونوں وجہیں مذموم ہے"

ایک موقع پر اس ممانعت کی حکمت کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

"والدین کے ساتھ اولاد کی قرابت، جزئیت وبعضیت کی قرابت ہے (کہ اولاد ان کے جسم کے ایک ٹکڑے اور ایک حصہ کی حیثیت رکھتی ہے) اور جزئیت بڑی محبت کا سبب ہوتی ہے (کہ ہر شخص کو اپنے جسم اور جسم کے حصوں سے ہر چیز سے زیادہ محبت ہوتی ہے) چنانچہ اگر انسان کو اپنی اولاد سے محبت نہ ہو تو یہ چیز اس کے دل و جان کی سختی وقساوت کی دلیل ہے، اور دل کی سختی وقساوت بہت بڑا اور مذموم وصف ہے (شرعاً بھی اور عرفاً واخلاقاً بھی)"(۲)

جامع ازہر کے مایۂ ناز فرزند عالم اور خطیب علامہ یوسف القرضاوی جو آج کل قطر میں خدمت دین کر رہے ہیں، اپنی کتاب "**الحلال والحرام فی الاسلام**" میں قتل اولاد کے مسئلے پر بحث کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

"اس عمل کا داعیہ خواہ کچھ بھی ہو اقتصادی ہو جیسے فقر وتنگی کا خوف یا غیر اقتصادی جیسے لڑکیوں میں عار کا خیال، اسلام نے سختی کے ساتھ اس وحشیانہ فعل کو حرام قرار دیا ہے اس لئے کہ یہ قتل قطع رحم اور کمزور پر ظلم جیسے گناہوں کو شامل ہے، اسی لئے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے شرک کے بعد

(۱) تفسیر ماجدی:۵۸۴ (۲) تفسیر رازی:۵/۴۰۴

سب سے سخت و بُرا فعل قرار دیا ہے"(۱)

آگے چل کر ایک موقع پر فرماتے ہیں:

"والدین پر اولاد کی پرورش، نان و نفقہ اور دیکھ بھال کا حق ہے، لہٰذا والدین کے لئے ان امور سے لاپروائی برتنا اور ان حقوق کا ضائع کردینا جائز و درست نہ ہوگا"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"تم میں سے ہر ایک ذمہ دار ہے اور ہر ایک سے اس کی ذمہ داریوں کے متعلق سوال کیا جائے گا"

ابوداؤد و نسائی اور حاکم کی روایت ہے:

"انسان کے گناہ کے لئے یہ کافی ہے کہ جس کی روزی اس سے متعلق ہو وہ اس کو ہلاک و ضائع کردے"

ابن حبان کی روایت ہے:

"ہر ذمہ دار سے اللہ اس کی رعیت اور ذمہ داریوں کے متعلق سوال کرے گا کہ اپنی رعیت کا خیال رکھا، ان کے حقوق ادا کئے، ان کی حفاظت کی، یا یہ کہ انہیں ضائع کر دیا؟ حتیٰ کہ خود اس کے اپنے گھر والوں کے متعلق بھی پوچھا جائے گا"(۲)

اسقاطِ حمل

اولاد سے اعراض کی دوسری صورت "اسقاطِ حمل" یعنی کسی ذریعہ سے حمل و جنین کو (مکمل ہو کر جاندار ہونے سے پہلے ہی) ضائع کردینا، یہ اسقاط حمل اگرچہ عین قتل نہیں، لیکن اگر حمل کا ضیاع جان پڑ جانے کے بعد ہو تو اتلاف نفس کی بنا پر قتل ہی ہے، اگرچہ اس پر قتل کی سزا دنیا و آخرت کے اعتبار سے نہ دی جائے گی اس لئے کہ یہ متعارف قتل نہیں ہے، اور اگر اس میں جان نہ پڑی ہو تو بھی اس وجہ سے کہ آئندہ وہ جاندار بننے والا اور خوبصورت انسان بنکر پیدا ہونے والا تھا، اس لئے یہ بھی ایک قسم کا قتل ہے۔

علماء اسلام اور علماء طب جدید و قدیم کا اتفاق ہے کہ حمل پر استقرار کے وقت سے لیکر ولادت تک مختلف حالات گذرتے ہیں، ان حالات کے اجمالاً اصولی دو

(۱) الحلال والحرام فی الاسلام:۱۸۹ (۲) الحلال والحرام فی الاسلام ۱۹۰

مرحلے ہیں، پہلا مرحلہ جب تک اس میں جان نہ پڑے اور نہ کوئی عضو بنے، دوسرا مرحلہ جان پڑنے کے بعد کا جبکہ اعضاء بننا شروع ہو جاتے ہیں۔

پھر ان دونوں مرحلوں پر مختلف حالات گذرتے ہیں، مثلاً جان پڑنے سے پہلے ابتداً حمل محض نطفہ ہوتا ہے، یعنی مرد و عورت کا یکجا جمع شدہ مادہ منویہ، پھر ایک مدت تک جما ہوا خون رہتا ہے، پھر گوشت کا بیجان لوتھڑا ہو جاتا ہے، ان تین حالتوں کے طے کرنے میں ایک سو بیس (۱۲۰) دن لگتے ہیں، اس کے بعد اس میں جان پڑتی ہے، اور دھیرے دھیرے ہڈیاں، ان پر گوشت اور پھر اعضاء بننے شروع ہو جاتے ہیں، آخر ایک دن وہی حمل جیتا جاگتا ایک انسان ہو کر دنیا میں ظاہر ہوتا ہے۔

اسقاط کے احکام

اوپر ذکر کردہ دونوں مرحلوں نیز ہر مرحلہ پر گذرنے والے حالات کے اعتبار سے علماء و فقہاء نے اسقاط حمل کے حکم میں تفصیل اختیار فرمائی ہے، امام غزالی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

"وجود حمل کے مختلف مراتب ہیں، پہلا مرتبہ یہ ہے کہ مرد کی منی رحم مادہ میں منتقل ہو کر عورت کی منی سے ملے اور اس میں زندگی قبول کرنے کی صلاحیت پیدا ہو، اس کو تلف کرنا گناہ ہے، پھر جبکہ وہ جما ہوا خون اور گوشت کا لوتھڑا بن جائے تو اس کے ضیاع کا گناہ اور سخت ہو جائے گا، اور اگر اس میں روح پڑ چکی ہو اور اعضاء کی تخلیق ہو رہی ہو یا ہو چکی ہو تو ضیاع کا گناہ اور زیادہ ہو جائے گا، حتیٰ کہ یہ شدت اس وقت انتہا کو پہنچ جائے گی جبکہ حمل زیادہ ظاہر ہو اور اسے فوراً فنا کے گھاٹ اتار دیا جائے"(۱)

نفخ روح سے پہلے جواز

فتح القدیر شرح ہدایہ میں مذکور ہے:

"فقہاء کا قول ہے کہ جب تک تخلیق کا سلسلہ نہ شروع ہو، اسقاط جائز ہے، اور تخلیق سے مراد بظاہر روح کا پھونکنا ہے، جس کا سلسلہ ایک سو بیس (۱۲۰) دن کے بعد شروع ہوتا ہے"(۲)

(۱) احیاء العلوم:۲/۴۴ (۲) فتح القدیر:۲/۴۹۰

فقہ حنفی کی دوسری کتابوں میں بھی یہ مسئلہ تفصیل کے ساتھ مذکور ہے ملاحظہ ہو عالمگیری ج:۲،ص: ۳۵۔ درمختار، ج:۲،ص:۵۲۲، ج:۵،ص:۲۷٦۔ طحاوی علی الدر المختار، ج:۲،ص:٦۷۔ البحر الرائق ج:۲،ص:۲۰۲۔ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج:٦،ص: ۳۳۹ وغیرہ۔

ان تمام کتب میں حمل کے دو مراحل (یعنی جان پڑنے سے پیشتر اور جان پڑنے کے بعد) کا ذکر ہے۔ اول میں اسقاط کا جواز نقل کیا گیا ہے جس کی مدت جیسا کہ علامہ ابن ہمام کا قول گذرا ایکسو بیس دن قرار دی گئی ہے، علامہ شامی نے فتاویٰ خانیہ کے حوالہ سے اس جواز کی وجہ ان الفاظ میں نقل کی ہے:

”ممانعت قتل کی ہے جس کا مطلب ہے کسی انسان (یعنی زندہ شخص) کی جان لینا اور جنین روح پڑنے اور اعضاء کے بننے سے پہلے پہلے انسان نہیں کہلاتا، لہذا اس کا اسقاط وضیاع انسان کا قتل نہ ہوگا، جس کی ممانعت ہے بلکہ اس میں تو ایک انسان یعنی حاملہ عورت کی حفاظت ہے، اس لئے کہ عورت کو ایام حمل میں بہت سے خطرات پیش آتے ہیں اور سب سے بڑا خطرہ بوقت ولادت درپیش ہوتا ہے“(۱)

بہر حال مرحلۂ اولی میں اسقاط کا جواز تو متفق علیہ ہے، البتہ یہ بحث رہ جاتی ہے کہ یہ جواز مطلقاً ہے یعنی یہ کہ اس پر کوئی گناہ نہیں ہے یا یہ کہ کراہت اور کسی قسم کے گناہ کے ساتھ مقید ہے، جیسا کہ امام غزالیؒ کی گذشتہ عبارت سے معلوم ہوتا ہے، درمختار میں ”منظومہ ابن ذہبان“ سے کراہت نقل کی ہے(۲)

علامہ طحطاویؒ نے ”ذخیرۃ الفتاویٰ“ سے نقل فرمایا ہے:

”اس باب میں مشائخ کا اختلاف ہے، فقیہ علی بن موسیٰ مکروہ کہا کرتے تھے، اور دلیل کے طور پر یہ کہا کرتے تھے کہ نطفہ جب رحم میں پہنچ گیا تو لامحالہ اس سے ایک زندگی وجود میں آئے گی، اس لئے اس کا ازالہ اس کو مٹانا اور ختم کرنا اس کی (متوقع) زندگی کا مٹانا اور ختم کرنا ہے، فتاویٰ ظہیریہ میں بھی یہی تفصیل مذکور ہے“(۳)

خیال رہے کہ مکروہ وکراہت سے مراد: مکروہ تحریمی اور کراہت سے تحریمیہ ہے،

(۱) شامی:۵/۲۷٦ (۲) درمختار مع شامی:۵/۲۷٦ (۳) طحطاوی علی الدر:۲/٦۷ و شامی:۲/۵۲۲

اس لئے فقہاء جب لفظ مکروہ بغیر کسی قید کے ذکر کرتے ہیں تو تحریمی ہی مراد لیا کرتے ہیں۔

قاضی خانؒ نے اپنے فتاویٰ میں ذکر کیا ہے:

”اگر محرم (یعنی حاجی جو حج کے مخصوص لباس میں ہوتا ہے) حرم کے کسی پرندے کے انڈے توڑ دے تو اس پر ضمان وجزا لازم ہے لہذا اس صورت (یعنی روح پڑنے سے قبل اسقاط حمل) میں گناہ ضرور ہوگا، کیونکہ جس طرح انڈا اصل ہے مادہ منویہ بھی روح پڑنے سے پہلے پہلے اصل ہے“(۱)

اعذار اسقاط

خلاصہ یہ نکلا کہ مرحلۂ اولی میں جواز ہے تو لیکن کراہت کے ساتھ جبکہ بغیر عذر ہو، اور عذر کی بنا پر کراہت سے خالی ہوگا، جیسا کہ آئندہ سطور میں تفصیلات آرہی ہیں۔

قاضی خانؒ نے عذر کی صورت میں عدم کراہت کی تصریح کی ہے، اور شرح ابن وہبان میں یہ کہہ کر یہ جواز یا تو عذر پر محمول ہے یا قتل سے کم گناہ ہونے پر۔ عذر کا استثناء کر دیا ہے، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ اعذار کیا ہیں جن کی بنا پر اسقاط کی کراہت یا گناہ ختم ہو جاتا ہے۔ ابن وہبانؒ نے اس سلسلہ کے ایک عذر کی تفصیل ان الفاظ میں پیش کی ہے۔

”مثلاً کسی بچہ والی عورت کو حمل ٹھہر جائے اور اس کی وجہ سے دودھ اترنا بند ہو جائے اور شوہر کی اتنی استطاعت نہ ہو کہ اجرت پر کسی دودھ پلانے والی کو رکھ سکے، اور دودھ کے نہ ملنے کی وجہ سے بچہ کی ہلاکت کا اندیشہ ہو“(۲)

جہاں تک سوال ہے ماں کے پستانوں میں دودھ کے نہ اترنے کا تو اس کا دفعیہ وعلاج عہد حاضر میں بہت آسان ہو چکا ہے، اور وہ یوں کہ تازہ دودھ کے علاوہ ڈبہ کا خشک وتر دودھ بھی ہر جگہ بآسانی فراہم ہو جاتا ہے، لیکن شق ثانی یعنی شوہر کا اس درجہ تنگ دست وپریشان حال ہونا کہ بازار کے دودھ کے لئے رقم فراہم نہ کر سکے، یہ اب

(۱) شامی:۲/۵۲۲ وطحطاوی:۲/٦۷ (۲) شامی:۲/۵۲۲

بھی ہوسکتا ہے اور ہوتا ہے، اس لئے ایسے گھرانوں اور اس قسم کے افراد کیلئے یہ حکم برقرار رہے گا، اسی عذر کی روشنی میں دوسرے اس قسم کے اعذار کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، مثلاً عورت کا کسی پریشان کن اور مہلک بیماری میں مبتلا ہونا یا حمل وولادت کی وجہ سے پیش آنی والی تکالیف کی بنا پر موت سے دوچار ہونے کا خطرہ وخدشہ ہو، لیکن شرط یہ ہے کہ یہ اندیشہ کسی تجربہ کار مسلم طبیب حاذق کی رائے پر مبنی ہے اور مجبوری میں معتبر غیر مسلم بھی کافی ہے، جیسا کہ فقہاء عصر کی رائے ہے۔

مرحلہ ثانیہ میں

جب حمل دوسرے مرحلے میں پہنچ جائے یعنی اس میں روح پڑ جائے اور باقاعدہ اعضاء کی تخلیق ہونے لگے تو خواہ ایک ہی عضو بنا ہو جیسا کہ ابن وہبانؒ کے قول "لایتصور" کی شرح میں علامہ شامیؒ کی نقل کردہ تفصیل سے معلوم ہوتا ہے اسقاط حمل حرام ہے، مذکورہ بالا اعذار کی بنا پر بھی جائز نہیں، جن حضرات نے اس مسئلہ پر کلام کیا ہے، سب نے تصریح فرمائی ہے کہ جواز نفخ روح سے پہلے پہلے کے لئے ہے، چنانچہ منظومہ ابن وہبانؒ میں مذکور ہے:

> "یہ جواز حمل وجنین کے صورت اختیار کرنے سے پہلے پہلے ہے (صورت اختیار کرنے سے مراد اعضاء کا بننا ہے" (۱)

اس لئے کہ جب جنین نے صورت اختیار کر لی تو "انسان وآدمی" بن گیا، لہذا اس حال میں اس کا اسقاط ایک ذی روح پر دست درازی اور اس کا قتل قرار پائے گا، اور یہ ناجائز ہے۔

علامہ یوسف القرضاوی فرماتے ہیں:

> "فقہاء کا اتفاق ہے کہ حمل میں روح پڑ جانے کے بعد اسقاط حمل حرام اور جرم ہے، کسی مسلمان کے لئے اس کا ارتکاب جائز نہیں اس لئے کہ یہ حمل اب ایک جاندار ہے اور جاندار پر زیادتی حرام ہے۔ لہذا اسقاط کی حالت میں اگر وہ مردہ گرے تو مالی ضمان وتاوان اور زندہ گر کر مرجائے تو دیت کا وُجوب ہوگا" (۲)

(۱) شامی: ۲/۲۷۶ (۲) الحلال والحرام فی الاسلام، ص: ۱۶۷

ابن وہبانؒ نے اپنے منظومہ میں اور شامیؒ نے اپنے حاشیہ میں تفصیل کے ساتھ اس کا ذکر کیا ہے (۱)

اضطراری حالت

البتہ اس مرحلہ میں اسقاط کے لئے اگر کوئی "اضطراری حالت" پیش آجائے تو فقہ کے مشہور قواعد "ضرورت محرمات کو مباح کر دیتی ہے"، نیز "دو مصیبتوں میں گھر جانے کی صورت میں اہون (ہلکی) کو اختیار کرنا چاہئے" کے تحت اس اسقاط کی بھی اجازت دی جاسکتی ہے۔

اس اضطراری کیفیت اور اس کے حکم کو علامہ یوسف القرضاوی نے فتاویٰ شلتوت سے ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

> "اگر کسی معتبر طریقہ سے محقق ہو جائے کہ حمل کا باقی رہنا یقینی طور پر عورت کی موت کا سبب بن جائے گا اور بجز اس حمل کے اسقاط کے عورت کی حفاظت وجانبری کا کوئی علاج نہ ہو تو شریعت کے ان قواعد کو دیکھتے ہوئے جن میں "اخف الضررین" یعنی دو نقصانوں اور تکلیفوں میں سے ہلکے نقصان وتکلیف والی صورت کو اختیار کرنے کا حکم ہے، یہی کہا جائے گا کہ اس حال میں اسقاط کی اجازت ہے، اور یہ کہ حمل کو بچانے کی خاطر اس عورت کی قربانی نہیں دی جائیگی، اس لئے کہ عورت اس حمل کی اصل بنیاد ہے، وہ جیتی جاگتی ہے اور دنیا کی چلتی پھرتی اور متحرک زندگی میں اس کا مستقل ایک حصہ ہے، دوسرے انسانوں پر اس کے اور خود اس پر دوسرے انسانوں کے حقوق ہیں، نیز یہ کہ وہ ایک خاندان وگھرانے کا بنیادی ستون ہے۔ اس لئے یہ کوئی عقل مندی کی بات نہ ہوگی کہ جس ذات کا اس جیتی جاگتی دنیا میں کوئی حصہ نہیں اور نہ ہی اس کے استقلال کا ابھی کوئی سوال ہے اور نہ اس پر دوسروں کے اور اس کے دوسروں پر حقوق لازم ہیں کہ اس کی زندگی کی خاطر اس عورت کی زندگی کو بھینٹ چڑھا دیا جائے" (۲)

حرف آخر

حمل وجنین اپنی زندگی کے کسی مرحلہ میں ہو، جواز اسقاط کیلئے فقہاء کرام نے

(۱) شامی: ۲/۲۷۶ (۲) الحلال والحرام فی الاسلام، ص: ۱۶۸

جواز کے جو اعذار بیان کئے ہیں، ان میں ''فیملی پلاننگ'' جیسے خلاف شرع اور خلاف ایمان و توکل امر کا نہ تو ذکر ہے اور نہ ہی ان میں اس کا شمار ہو سکتا ہے۔ اس غرض سے اسقاط حمل پہلے مرحلہ میں ہو تو مکروہ تحریمی ہوگا، اور دوسرے مرحلہ میں ہو تو حرام ہوگا، اور ہر دو کا ارتکاب سخت گناہ اور موجب فسق ہے اگرچہ مکروہ تحریمی حرام سے کچھ ہلکا ہے لیکن ایسا ہی جیسا کہ واجب کا درجہ فرض سے کچھ کم ہے، اور یہ حکم اس سے قطع نظر ہے کہ رزق کے مسئلے کو بنیاد بنا کر اس امر کو اختیار کرنا اعتقاد میں کسی کمزوری اور نقص کو مستلزم ہے، تفصیل پیچھے گذر چکی ہے۔

توالد سے اعراض

مصالح نکاح سے متعلق جو تفصیلات گذر چکی ہیں، اس باب کو سمجھنے کیلئے بڑی حد تک وہی کافی ہیں، مزید وضاحت و تاکید کیلئے مستقل اس کے بیان و تفصیل کی ضرورت ہے، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

''چونکہ اللہ نے انسان کو مدنی الطبع پیدا فرمایا ہے، اور اس نے یہ ارادہ فرمایا ہے کہ نوع انسانی توالد و تناسل (یعنی افزائش بذریعہ پیدائش نسل) کے ذریعہ باقی رہے، اس لئے ضروری ہے کہ شریعت تناسل میں زیادہ سے زیادہ رغبت دلائے اور قطع نسل کو اپنانے سے سختی کے ساتھ روکے، اور تناسل کا سب سے بڑا سبب اور باعث اور سب سے زیادہ اس پر آمادہ کرنے والی شے شرم گاہ کی خواہش اور اس کو پورا کرنے کا شدید تقاضہ ہے، اس لئے کہ اس خواہش کی حیثیت اس شخص کی طرح ہے جو کسی دوسرے انسان پر اس سے کوئی کام لینے کیلئے مسلط کر دیا جائے کہ وہ نہ کرنا چاہے تب بھی یہ نگراں مسلط اس کو اس کام کے کرنے پر مجبور کر دے گا، ٹھیک یہی حال اس خواہش کا ہے کہ یہ خواہش انسانوں کو افزائش و پیدائش نسل کیلئے سعی پر مجبور کر دیتی ہے، خواہ وہ نسل کا ارادہ کریں یا نہ کریں''

اس کے بعد خلل و نقص پیدا کرنے والے نیزان سے روکنے والے امور کے متعلق فرماتے ہیں:

''عورت و مرد کے ساتھ خلاف فطرت عمل میں اللہ کی خلقت کی تغییر ہے، اس لئے کہ قدرت نے ایک چیز کا جو راستہ و محل تجویز کیا ہے، یہ عمل انسان اس کو اس کے راستے اور محل سے ہٹا کر دوسرے راستے پر لگا دیتا ہے، اسی طرح اعضاء نسل کو کاٹ دینے کا رسم و رواج نیزان دواؤں کا استعمال جو قوت شہوانیہ کو توڑتی، اور مادہ کی طاقت کو ختم کرتی ہیں، یہی نہیں بلکہ مردوں کو عورتوں سے دور رہنے پر مجبور کرتی ہیں، یہ امور بھی اللہ کی خلقت میں تغییر کا مصداق اور نسل اولاد کی طلب میں بے اعتنائی کو ثابت کرتے ہیں، اس لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مواقع پر اس قسم

کے امور سے منع فرمایا ہے(۱)

توالد سے اعراض کی بھی دو صورتیں ہیں، ایک تو یہ کہ مرد یا عورت اپنے آپ کو تولیدی صلاحیتوں سے محروم کرلے، دوسرے یہ کہ ان صلاحیتوں کو استعمال نہ کیا جائے، اول کو ''نس بندی'' اور دوم کو ''عزل'' کا عنوان دے کر دونوں کو علاحدہ علاحدہ بیان کیا جاتا ہے۔

(۱) حجۃ اللہ البالغۃ: ۲/۱۳۴

نس بندی

اگرچہ ''تحدید نسل'' کے باب میں ''نس بندی'' سے مراد لیتے ہیں کہ جس رگ یا نس سے تولیدی مادہ عضو کے راستے سے خارج ہوتا ہے اسے کاٹ دیا جائے یا اس کو بند کردیا جائے کہ اس سے وہ مادہ خارج نہ ہوسکے، لیکن ہم اس سے وہ تمام اعمال و صورتیں مراد لے رہے ہیں جو انسان کو اس خاص صلاحیت سے محروم و دور کرنے کیلئے استعمال کی جاتی ہیں، جس کی حسب ذیل چار صورتیں معروف ہیں۔

۱ ــــ مرد کی ایک مخصوص رگ (جس سے مادہ تولید منتقل ہوتا ہے) کاٹ دینا۔

۲ ــــ عورت کا اپنی بچہ دانی (یعنی وہ جھلی جس میں مادہ خارج ہونے کے بعد پہنچتا اور ٹھہرتا ہے جس کے نتیجے میں استقرار و حمل ہوتا ہے) نکلوادینا۔

۳ ــــ مرد کا خصیتین نکلوادینا۔

۴ ــــ عضو مخصوص کو کاٹ دینا یا پس طور کہ وطی پر قدرت نہ رہ جائے۔

نصوص قرآن وسنت

عہد نبوی میں صرف اخیر کی ہی دو صورتیں معروف تھیں اور عمل کرنے والے انہیں کو اپنایا کرتے تھے، اس لئے اس باب سے متعلق جو روایات ہیں ان میں انہیں دو صورتوں کا ذکر ملتا ہے(۱)

قرآن کریم کی دو آیات سے اس مسئلہ کی طرف رہنمائی ملتی ہے، پہلی آیت سورہ نساء کی ہے جس میں اللہ تعالی نے شیطان کے اس اعلان و چیلنج کا ذکر کیا ہے کہ میں

(۱) مرقاۃ: ۲/۱۸۶، الدر المنثور: ۲/۲۲۲

انسانوں کو طرح طرح کی گمراہیوں میں مبتلا کردوں گا، اسی ضمن میں اس نے یہ بھی کہا کہ میں ان کو اللہ کی خلقت کے بدل ڈالنے کا حکم کروں گا، ارشاد ہے:

وَ لَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ______ (۱)
اور میں ان کو تعلیم دوں گا جس سے وہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی صورت کو بگاڑا کریں گے۔

دوسری آیت سورہ مائدہ کی ہے جس میں ہر قسم کی طیبات کو اپنے حق میں حرام قرار دینے سے منع فرمایا گیا ہے، ارشاد ہے:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ______ (۲)
اے ایمان والو! اللہ نے جو چیزیں تمہارے واسطے حلال کی ہیں ان میں لذیذ چیزوں کو حرام مت کرو اور حدود سے آگے مت نکلو بیشک اللہ تعالیٰ حد سے نکلنے والوں کو پسند نہیں فرماتے ہیں۔

توضیح آیات: پہلی آیات میں "خلق اللہ" کی تفسیر میں علماء و مفسرین کی دو جماعتیں ہیں ایک جماعت نے خلق اللہ سے دین الٰہی مراد لیا ہے، اور دوسری جماعت نے اس سے جسم کی فطری و قدرتی ساخت و بناوٹ مراد لی ہے، ہر دو جماعت میں ممتاز علماء و مفسرین شامل ہیں، امام رازیؒ فرماتے ہیں:

"قول ثانی یہ ہے کہ مذکور تغیر و تبدیلی کو ظاہر سے تعلق رکھنے والے سارے احوال کی تغیر پر محمول کیا جائے" (۳)

روح المعانی میں مذکور ہے:

"اللہ کی خلق (پیدائش) کو صورت و صفت دونوں کے اعتبار سے اپنی اصل نہج و انداز سے بدل ڈالنا مراد ہے" (۳)

صورت سے اعضاء و جسم اور صفت سے حرکات اور اعضاء سے صادر ہونے والے افعال مراد ہیں، مثلاً نسوانی حرکتیں کرنا باقی لفظ "خلق" ہر دو جماعت کی تفسیر کو

(۱) سورۂ نساء، رکوع: ۱۸ (۲) مائدہ، رکوع: ۱۲ (۲) تفسیر رازی: ۳/۲۲۵ (۳) روح المعانی: ۵/۱۴۹

محتمل ہے اس لئے اگر یہ کہا جائے گا کہ آیت میں دین الٰہی، نیز فطری شکل و صورت اور حرکات سب کی تبدیلی مراد ہے، تو بیجا نہ ہوگا چنانچہ بعض مفسرین نے اس کی تصریح کی ہے۔

دوسری آیت اپنے الفاظ کے اعتبار سے بظاہر ہمارے مدعا و مقصد کے لئے مفید نہیں ہے، اس لئے کہ آیت میں ایک عام بات ارشاد فرمائی گئی ہے، اور یہ بتایا گیا ہے کہ کسی بھی معاملہ میں تعدی (حد سے تجاوز) شارع کی نگاہ میں ناپسند اور شرعاً ناجائز ہے، لیکن آیت کے شان نزول کی بابت جو روایات مروی ہیں وہ ہمارے مدعا سے ہی اس آیت کا خصوصی تعلق بتاتی ہیں۔

ابن کثیر اور در منثور وغیرہ میں اس آیت کے ضمن میں.......... جو روایات مروی ہیں ان کا قدر مشترک یہ ہے کہ بعض حضرات صحابہ کرامؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دن رات کی زندگی کے معمولات جان کر نیز عبادت میں زیادہ سے زیادہ شغف و انہماک کی خاطر ترک لذائذ کے ارادے فرمائے، کسی نے رات بھر نہ سونے اور پوری رات نماز میں گذارنے کی قسم کھائی، کسی نے مستقل روزہ رکھنے کی قسم کھائی اور کسی نے ترک تعلق کر لینے حتیٰ کہ اپنی اس خواہش کو دبانے کے لئے خصی ہو جانے تک کا ارادہ کر لیا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب معلوم ہوا تو آپ نے ان کے ارادوں پر نکیر فرمائی اور اپنے آپ کو بطور نمونہ ان کے سامنے پیش فرمایا کہ میری زندگی اور معمولات کو تو دیکھو حالانکہ میں تم سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور عمل کی فکر کرنے والا ہوں، اس کے بعد گویا آپ کے اس ارشاد کی تائید کیلئے نیز اس غرض سے کہ آئندہ اس قسم کے ارادے دوسرے لوگ نہ کریں یہ آیات نازل ہوئیں، جن میں یہ فرمایا گیا کہ جن لذتوں اور لذائذ کو اللہ نے پیدا فرما کر ان سے انتفاع کو جائز قرار دیا ہے، اپنے اوپر سختی کر کے ان سے بچنے اور دور رہنے کی کوشش نہ کرو، بس حدود کا خیال رکھو، نہ ترک میں حدود سے تجاوز کرو، اور نہ شغف و انہماک اور ان سے انتفاع میں حد سے تجاوز کرو (۱)

(۱) ابن کثیر: ۲/۱۸۷، الدر المنثور: ۳/۳۱۰-۳۰۷

حاصل یہ کہ دونوں ہی آیات کی تفسیر وتوضیح میں اعضاء تناسل کو اس کی صلاحیتوں سے محروم کردینے نیز ان سے ان کا کام نہ لینے کا ذکر آیا ہے، دوسری آیت میں شان نزول کے طور پر اور پہلی آیت میں "تغییر خلق اللہ" کی تفسیر وبیان میں۔

لہذا ان دونوں آیات کی رو سے صراحۃً عبارۃً اپنے آپ کو ان صلاحیتوں سے محروم کردینے کی حرمت ثابت ہوتی ہے، چنانچہ علامہ عینیؒ نے شرح بخاری میں دوسری آیت اور اس سے متعلق روایت کے ذکر کے موقع پر فرمایا ہے۔

"عمل قطع بالاتفاق حرام ہے"(۱)

اختصاء کے احکام

اختصاء سے مراد ہے خصی ہونا یعنی خصیتین کا نکلوادینا، مشکوٰۃ کی ایک مشہور روایت ہے جو حضرت عثمان بن مظعون سے متعلق مروی ہے کہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عورتوں سے پورے طور پر علاحدہ طور پر رہنے کی بابت دریافت کیا تو آپؐ نے منع فرمایا، اس پر حضرات صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ اگر حضور ان کو اجازت دیدیتے تو ہم خصی ہوجاتے (۱)

اسی روایت کی شرح میں ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں:

"طیبیؒ شارح مشکوٰۃ فرماتے ہیں کہ راوی کو اصل میں یوں کہنا چاہئے تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ کو اجازت دے دی ہوتی تو ہم بھی گوشہ نشینی اور یکسوئی اختیار کرلیتے لیکن مبالغۃً ان حضرات نے یوں فرمایا کہ ہم خصی ہوجاتے، حلانکہ انہوں نے حقیقت قطعاً مراد نہیں لی، اس لئے کہ خصی ہونا جائز نہیں" (۳)

علامہ نوویؒ شارح مسلم فرماتے ہیں:

"ان حضرات نے یہ بات اس گمان کی بناپر فرمائی کہ ایسا جائز ہے حالانکہ واقع میں ایسا تھا نہیں (یعنی یہ جائز نہ تھا) اس لئے کہ انسان خواہ بچہ ہو یا کبیر السن اس کیلئے خصی بننا یا بنانا دونوں ہی امر تمام سلف وخلف کے نزدیک حرام ہیں" (۴)

یہ ممانعت اس لئے ہے کہ شریعت میں ہر فعل کے جواز کی بنیاد کسی نہ کسی فائدے

(۱) فتاوی رحیمیہ: ۲/۲۳۶ (۲) ترمذی: ۱/۱۴۸ (۳) مرقاۃ: ۶/۱۸۷
(۴) مرقاۃ: ۶/۱۸۷

کے حصول کے پیش نظر ہوتی ہے اور انسان میں یہ فعل بجائے مفید ہونے کے ضرر رساں ہے، اس لئے کہ اس سے "توالد وتناسل" پر اثر پڑتا ہے، اس کا سلسلہ ختم ہوتا ہے، یا کمزور پڑتا ہے، حالانکہ تناسل شرعاً بھی اور عرفاً بھی ہر اعتبار سے نکاح کا مقصد اعلیٰ ہے، حتیٰ کہ فائدہ سے خالی ہونے کی بناپر جن جانوروں کا کھانا جائز نہیں ہے، ان میں منع ہے، بس صرف جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے ان میں جائز ہے، وہ بھی ان کی کم عمری کی حالت میں کہ بچپن میں ایسا کرنے سے تکلیف نہیں ہوتی، اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ جانور کا گوشت لذیذ ہوجاتا ہے لیکن ان جانوروں میں بھی بڑے ہونے کے بعد اجازت نہیں ہے، اس لئے کم عمری میں سارے اعضاء نشوونماء کے مرحلہ میں ہوتے ہیں، اس وقت کسی عضو کو تلف کرنے یا کاٹنے میں خاص تکلیف نہیں ہوتی، اور بڑا ہوجانے پر نشوونما بند ہوجاتا ہے، اعضاء ایک ہیئت پر ٹھہر جاتے ہیں تو بہت زیادہ تکلیف ہوتی ہے، بلکہ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس حالت میں ایسا کرنے سے مقصودہ فائدہ (یعنی لذت گوشت) نہیں حاصل ہوتا کہ یہ لذت اسی وقت پیدا ہوتی ہے جبکہ نشوونما کے زمانے میں خصیتین کو تلف کردیا جائے، بعض صحابہ نے پہلی آیت کے پیش نظر جانوروں میں بھی اس کو منع فرمایا ہے، لیکن چونکہ ہر زمانہ میں اس کا رواج رہا ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سلسلے میں کوئی نکیر منقول نہیں ہے، اس لئے جواز کے قول کو ہی اختیار کیا گیا ہے۔

بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے جانور کی قربانی منقول ہے انسانوں کے متعلق امام نوویؒ اور طیبیؒ کی تصریح گذرچکی ہے، علامہ شامیؒ نے امام طحاوی سے نقل فرمایا ہے:

"انسان کا خصی بننا حرام ہے، اس لئے کہ اس کو خصی بنا کر اس سے متعلق کسی نہ کسی معصیت کا ہی ارادہ کیا جاتا ہے اس لئے یہ فعل حرام قرار دیا گیا ہے"(۱)

دوسری صورتیں

مذکورہ بالا تفصیلات کا تعلق اختصاء سے ہے جس کے ضمن میں انسان کے خصی

(۱) شامی: ۵/۲۴۹

بننے یا بنانے کا حکم بھی ذکیا گیا ہے، اختصاء کے نتیجے میں جاندار تولیدی صلاحیتوں سے محروم ہو جاتا ہے، اس لئے کہ اس کے بعد جماع کا داعیہ باقی نہیں رہ جاتا ہے، اگر کچھ رہ جاتا ہے تو انزال یعنی مادہ منویہ کا نکلنا بند ہو جاتا ہے، یا اس کی نوعیت بدل جاتی ہے، اور ''تولید'' کے لئے مادہ منویہ کا خروج ضروری ہے کہ حمل کا بیج وہی ہے، اختصاء کے اس نقصان کے پیش نظر اس سلسلہ کی دوسری ان تمام صورتوں کی جو ''تناسل'' میں مخل ہوتی ہیں، اور جن کے نتیجے میں تولیدی صلاحیتیں ختم ہو جاتی ہیں، قیاس کر لیا جائے۔

بلکہ دوسرے اعمال بدرجہ اولیٰ حرام ہوں گے اس لئے کہ یہ حکم خصی کے بارے میں بظاہر صلاحیت تولید سے محروم ہو جانے کی بنا پر لگایا گیا ہے ورنہ بعض فقہاء نے تو یہ فرمایا ہے کہ اس عمل کے نتیجے میں جماع کی خواہش و رغبت میں اور اضافہ ہو جاتا ہے، ہاں یہ ضرور ہے کہ انزال یعنی مادہ منویہ کے نکلنے کی وہ صورت نہیں ہوتی جو غیر خصی میں ہوتی ہے اس لئے کہ غیر خصی میں مادہ ایک دم سے پیشاب کے طور پر خارج ہو جاتا ہے اور خصی میں قطرہ قطرہ خارج ہوتا ہے، اسی لئے فقہاء کرام نے خصی شوہر کی بیوی سے ہونیوالے بچے کو ثابت النسب قرار دیا ہے یعنی بچہ کو اسی خصی شوہر کے نطفے سے مانا ہے، اس کے باوجود اس فعل کو حرام قرار دیا ہے لہٰذا جن صورتوں میں ''استقرار حمل'' کا کوئی سوال و ذکر ہی نہ رہ جائے خواہ یوں کہ بچہ دانی نکال کر عورت کو اس کھیت سے محروم کر دیا جائے جس میں انسانوں کی کھیتی ہوتی ہے، یا یوں کہ مرد کے عضو مخصوص سے تعلق رکھنے والی اس رگ کو کاٹ دیا ہے جس کے ذریعے انسانی بیج منتقل ہو کر رحم مادر (یعنی اپنے کھیت) میں پہنچتا ہے اور جس کے ذریعہ مرد انسانوں کی کھیتی کی بنیاد ڈالتا ہے اور اس کی آبیاری کرتا ہے یا اس عضو کو ہی سرے سے کاٹ دیا جائے — یہ صورتیں اور یہ اعمال کیسے جائز ہو سکتے ہیں!

پھر جب کہ اس عمل کے نتیجے میں بعض اہم نقصانات سے بھی دو چار ہونا پڑتا ہے مثلاً اختلال عقل، یا مستقل سستی و کاہلی کا شکار ہو جانا، اسی پر بس نہیں بلکہ بعض مرتبہ اس کے نتیجے میں جان بھی چلی جاتی ہے، ہمارے ملک میں ہی پیش آنے والے ماضی قریب کے حالات ان نقصانات و واقعات کے حق میں شاہد عدل ہیں۔

عزل

فقہاء کی اصطلاح میں عزل سے مراد یہ ہوتا ہے کہ مادہ منویہ کے خروج کے وقت مرد عورت سے علاحدہ ہو جائے تاکہ مادہ عین جماع کی حالت میں خارج ہو کر ''رحم'' (بچہ دانی) تک نہ پہنچے کہ استقرار حمل اور ولادت کی نوبت آئے۔

لیکن ہم اس سے وہ تمام صورتیں مراد لے رہے ہیں جنہیں صلاحیت تولید کو باقی رکھتے ہوئے استقرار حمل اور ولادت سے بچنے کے لئے اختیار کیا جاتا ہے اور وہ حسب ذیل چار صورتیں ہیں:

۱ــــ صحبت کے وقت انزال سے پہلے پہلے مرد و عورت کا ایک دوسرے سے علاحدہ ہونا تاکہ انزال باہر ہو، جسے اصطلاح فقہ میں ''عزل'' کہتے ہیں۔

۲ــــ عورت کا رحم یعنی بچہ دانی کے منھ کو کسی چیز سے بند کر لینا تاکہ مادہ منویہ رحم کے اندر نہ داخل ہو۔

۳ــــ مرد کا اپنے عضو مخصوص کے سرے پر کوئی ایسی چیز باندھ لینا کہ مادہ خارج ہو کر اس کے اندر رہ جائے، رحم میں داخل نہ ہو سکے۔

۴ــــ ایسی دوائیں استعمال کرنا جو وقتی طور پر اور تھوڑی مدت کیلئے استقرار حمل سے مانع ہوں۔

نصوص میں عزل کا ذکر

قرآن مجید میں اس عنوان کو مقصود بنا کر کوئی بات نہیں فرمائی گئی ہے نہ صراحۃً نہ دلالۃً، البتہ یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ جن نصوص میں اولاد کو نعمت بتایا گیا ہے وہ ضرور اشارۃً یا اقتضاءً اس کو منع کرتی ہیں، اس لئے کہ ایسی آیات اولاد کے مقصود ہونے پ

دلالت کرتی ہیں، لہذا ان کا اشارہ اور اقتضاء یہ ہے کہ جو چیزیں اولاد سے مانع ہوں انہیں ممنوع قرار دیا جائے۔ البتہ روایات حدیث اس باب میں بکثرت اور بڑی وضاحت کے ساتھ ملتی ہیں، اور اتفاق یہ کہ روایات اس عمل کی تائید و مخالفت دونوں ہی مضامین پر مشتمل ہیں۔

مخالف روایات

بعض روایات سے اس عمل کی ناپسندیدگی ظاہر ہوتی ہے، مثلاً حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی روایت ہے ـــــ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اپنی بیوی سے عزل کرتا ہوں ـــــ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تم ایسا کیوں کرتے ہو؟

عرض کیا:

''میں اس کے لڑکے سے ڈرتا ہوں'' ـــــ (یعنی یہ کہ اس کی گود میں بچہ موجود ہے اور مجھے اندیشہ ہے کہ اگر کہیں حمل ٹھہر گیا تو دودھ بچہ کو نقصان نہ پہنچائے یا یہ کہ بند نہ ہو جائے یا کم ہو جائے جس کی وجہ سے بچہ بھوکا رہے اور اس بھوک کا اس کی صحت و حیات پر کوئی اثر پڑے)۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اگر یہ چیز ضرر رساں ہوتی تو ایرانیوں اور رومیوں کو ضرور نقصان پہنچاتی'' ـــــ (حالانکہ ایسا نہیں، ان کی عورتیں حالت حمل میں اپنے بچوں کو دودھ پلاتی ہیں، پھر تم استقرار حمل سے کیوں ڈرتے اور بچتے ہو)(۱)

اسی طرح حضرت جدامہ بنت وہبؓ کی روایت ہے وہ فرماتی ہیں:

میں کچھ لوگوں کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی، ان لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عزل کی بابت دریافت کیا، یعنی یہ کہ کیسا ہے جائز ہے یا

(۱) مشکوۃ مع مرقاۃ: ۶/ ۲۳۷ و ۲۳۸، زاد المعاد: ۴/ ۱۶

نہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عزل وأدِ خفی ہے'' (زندہ درگور کرنے کی خفی صورت ہے) اور (وَاِذَا الْمَوْؤُدَةُ سُئِلَتْ) کا مصداق ہے(۱)

(یعنی قیامت میں زندہ درگور کردی جانے والے والی اولاد سے پوچھا جائے گا کہ تمہارے ساتھ آخر ایسا کیوں کیا گیا تھا؟ تو ان میں وہ اولاد بھی شامل ہوگی جس کا نطفہ اس مادہ میں مقرر تھا جسے انسان نے عزل کے ذریعے ضائع کردیا)

مذکورہ بالا دونوں احادیث کے مضامین سے یہ بات سامنے آگئی کہ ایسا عمل یا تو اس غرض سے کیا جاتا ہے کہ گود میں جو بچہ ہے اسے دودھ کے پینے یا کمی وغیرہ سے نقصان نہ پہنچے، تو فرمایا گیا کہ اس میں ایسا ضرر نہیں ہے کہ جس کے پیش نظر استقرار حمل سے بچا جائے اور پھر چاہے غرض یہ ہو یا کچھ اور عزل کے ذریعہ مادہ کے ضیاع میں اولاد کا اتلاف و ضیاع ہے، اور اس طرح اولاد کا ضیاع بھی ایک قسم کی زندہ درگوری ہے، لہذا قیامت میں جب زندہ درگوری کی بابت سوال ہوگا تو عزل کے متعلق بھی پوچھ گچھ ہوگی۔

مانعین جواز: ایک دوسری روایت سے بھی استدلال کرتے ہیں:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عزل کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نہ کرو تو کیا حرج ہے، جسے پیدا ہونا ہے وہ تو پیدا ہو کر رہے گا'' (یعنی تمہاری ان ظاہری تدابیروں سے کوئی فرق نہیں پڑیگا)(۲)

اس آیت میں نقل کردہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے انتہائی ناگواری و ناپسندیدگی کا اندازہ ہوتا ہے، اسی لئے اس کی تشریح و توضیح میں حضرت ابن سیرین سے نقل کیا گیا ہے:

''آپ کا یہ ارشاد ممانعت و نہی سے بہت زیادہ قریب ہے''۔ یعنی گویا کہ آپ منع فرما رہے ہیں۔ اور حضرت حسن بصریؒ سے منقول ہے:

''بخدا یہ فرمان تو گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈانٹ ہے''(۳)

یعنی اس کے کرنے پر

(۱) مشکاۃ مع مرقاۃ: ۶/ ۲۳۸ و زاد المعاد: ۴/ ۱۶ (۲) حوالہ گذشتہ (۳) فتح الملہم: ۳/ ۵۱۸

موافق روایات

مذکورہ بالادویاان جیسی روایات کے بالمقابل ایسی کچھ روایات بھی ہیں جن سے بغیر کسی ناپسندیدگی کے عزل کے جواز واجازت کا ثبوت ہوتا ہے۔ مثلاً حضرت جابر کی روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: ''ہم اس زمانہ میں عزل کیا کرتے تھے، جبکہ قرآن مجید نازل ہورہا تھا'' (یعنی باوجود اس کے کہ اللہ پر کوئی حال وحرکت مخفی نہیں رہتی لہذا ہماری حرکت بھی یقیناً اس پر مخفی نہ ہوگی اور وحی کا سلسلہ جاری ہونے کی بنا پر وہ اپنی ناپسندیدگی کی خبر ہمہ وقت ہم کو دے سکتا تھا، پھر بھی اس کی جانب سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کسی ناپسندیدگی کا اظہار یا ممانعت کا اعلان نہیں کیا گیا، یہ اس کی کھلی اجازت کی دلیل ہے)۔

بلکہ ایک روایت میں یہ الفاظ بھی منقول ہیں:

''آپ کے علم میں بھی یہ بات آئی پھر بھی آپ نے منع نہیں فرمایا''

حضرت ابوسعید الخذری سے روایت ہے:

''ایک شخص نے اپنی باندی سے عزل کا تذکرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیا، اور عرض کیا کہ میں استقرار حمل سے ڈرتا ہوں، اس لئے ایسا کرتا ہوں اور یہود اس حرکت کو مذموم اور وأد (زندہ درگوری) کا مصداق قرار دیتے ہیں ـــــ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وہ جھوٹ کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ جس چیز کے ذریعہ پیدا کرنے کا فیصلہ فرمالیں تم اپنے عمل سے اسے دفع ورد نہیں کرسکتے''

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اسی روایت میں یہ مضمون نقل کیا گیا ہے:

''یہ عمل کسی کے لئے ولادت سے مانع نہیں بن سکتا''

حضرت ابوسعید خدری سے ایک دوسری روایت ان الفاظ میں مروی ہے:

ہم کو ایک غزوہ میں کچھ قیدی عورتیں مل گئیں اور اتفاق سے ہمارے اندر جماع کی خواہش بیدار ہوگئی تو ہم نے حمل سے بچنے کیلئے عزل کا ارادہ کیا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی اجازت چاہی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کوئی حرج نہیں ہے'' ـــــ (۱)

---

(۱) مشکوۃ مع مرقاۃ: ۶/۳۳۵ تا ۳۳۸ وزاد المعاد: ۴/۱۶

صحابہ اور فقہاء کے اقوال ومذاہب

اس باب میں اختلاف روایات کی بنا پر حضرات صحابہ کے عمل اور رایوں میں بھی اختلاف رہا، جیسا کہ کتب فقہ وحدیث میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسے ''موؤدۃ صغریٰ'' قرار دیا ہے (یعنی وأد خفی) جسے حضرت جذامہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل فرمایا ہے، حضرت ابوامامہ نے اسے مسلمانوں کیلئے نامناسب قرار دیا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر اپنے بعض صاحب زادگان کو تنبیہ فرمائی، نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ سے اس کی ممانعت منقول ہے، اور دیگر صحابہ سے اجازت منقول ہے۔

اختلاف روایات اور اختلاف اقوال صحابہ کی بنا پر حضرات فقہاء کے درمیان بھی اختلاف ہے، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''عزل کی بابت فقہاء کے چار مذاہب ہیں'':

۱ ـــ بعض حضرات نے اسے مطلقاً (یعنی ہر حال میں بغیر کسی قید کے) جائز قرار دیا ہے۔ ۲ ـــ بعض نے مطلقاً منع کیا ہے۔

۳ ـــ اسی طرح بعض حضرات نے عورت کی اجازت کی صورت میں جائز اور عدم اجازت کی صورت میں ناجائز قرار دیا ہے۔

۴ ـ بعض نے باندیوں سے جائز اور آزاد عورتوں کے حق میں ناجائز قرار دیا ہے (۱)

امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں، ابن القیمؒ نے زاد المعاد میں، امام احمدؒ کا اور صاحب مرقاۃ نے قاضی عیاض کا قول جواز کا ذکر کیا ہے، فقہاء احناف میں علامہ ابن الہمامؒ اور علامہ شامی، نیز علامہ طحاویؒ وصاحب بحر الرائق سب نے ہی عامۃ العلماء کے نزدیک جواز کا تذکرہ کیا ہے۔

علامہ ابن القیمؒ نے زاد المعاد میں جواز کی تفصیل فرمانے کے بعد لکھا ہے کہ یہی قول امام مالک، امام شافعی اور جمہور اہل کوفہ واہل علم کا ہے (۲)

---

(۱) احیاء العلوم: ۲/۲۲ وزاد المعاد: ۴/۱۶ (۲) احیاء العلوم: ۲/۲۲، وزاد المعاد: ۴/۱۶ ومرقاۃ: ۶/۳۳۶ و۳۳۷ وفتح الباری: ۲/۹۴ وطحاوی: ۲/۶۷ وشامی: ۲/۲۲۴

جواز اور نوعیت جواز

گذشتہ سطور میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ اکثر حضرات نے جواز کے پہلو کو اختیار کیا ہے، اور بقول ابن الہمامؒ کی اس رائے کی بنیاد روایات جواز کی کثرت ہے، لیکن اس جواز سے متعلق کچھ تفصیلات ہیں جن کی طرف اجمالی اشارہ امام غزالی کی اس تحریر میں موجود ہے، جسے ہم بیان مذاہب کے سلسلے میں نقل کر چکے ہیں۔

اکثر حضرات کے نزدیک مملوکہ باندی کے حق میں مطلقاً بغیر اس کی اجازت کے جائز ہے، اور منکوحہ باندی میں اس کے آقا کی اجازت کی ضرورت ہوگی اور آزاد عورت میں خود اسی کی رضامندی پر منحصر ہے، صاحب مرقاۃ نے بحوالہ قاضی عیاضؒ امام شافعیؒ سے بھی یہی نقل کیا ہے، اگرچہ امام نوویؒ نے مطلقاً کراہت کا ذکر کیا ہے(۱)

متقدمین احناف سے تفصیل بالا ہی مروی ہے، البتہ متاخرین نے بعض حالات میں آزاد عورت کی اجازت کے بغیر بھی جواز کا ذکر کیا ہے، جیسا کہ صاحب فتح القدیر نے ذکر کیا ہے، اور علامہ شامیؒ وطحاویؒ وغیرہ نے بھی اسے لیا ہے۔

جواز مع الکراہۃ

جواز سے متعلق دوسری بحث یہ ہے کہ قائلین جواز کے نزدیک جواز علی الاطلاق یعنی بغیر کسی کراہت کے ہے، یا یہ کہ کسی قسم کی کراہت کے بھی یہ حضرات قائل ہیں، محققین علماء کرام نے جواز کے ساتھ کراہت کا ہی ذکر کیا ہے۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں:

''مکروہ کے تین مصداق ہیں: ۱- تحریمی۔ ۲- تنزیہی۔ ۳- خلاف افضل ''عزل'' تیسرے درجہ کا مکروہ ہے، اس لئے کہ ''نکاح'' کا ترک خلاف افضل ہے، اور نکاح کی صورت میں ''ترک جماع'' بھی خلاف افضل ہے، لہذا جماع کی صورت میں ''ترک انزال'' بھی خلاف افضل ہوگا''(۲)

شاہ ولی اللہ صاحبؒ عزل سے متعلق ایک مشہور روایت (عزل نہ کرو تو کیا نقصان ہے) کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

(۱) مرقاۃ: ۶/۳۳۶ و ۳۳۷ و نووی علی مسلم: ۱/۴۶۴ (۲) احیاء العلوم: ۲/۲۲

''یہ روایت عزل کی کراہت تنزیہیہ کی طرف اشارہ کرتی ہے''

آگے چل کر اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''عزل میں خلق اللہ کی بھی تغییر نہیں ہے اور نہ ہی تناسل سے اعراض ہے، اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں تو ہر چیز طے کی جا چکی ہے، اور مقدر ہو چکی ہے ـــــ اور جس چیز کو اس نے مقدر فرمایا ہے اس کے پائے جانے کا سبب ضعیف ہی کیوں نہ ہو وہ اس ضعیف سبب کو ہی تقویت دے کر نتیجہ خیز بنا دیتا ہے، مثلاً عزل میں انسان بوقت انزال اپنے آپ کو عورت سے علاحدہ کر لیتا ہے، لیکن چونکہ شہوت جب آخری حد کو پہنچ جاتی ہے اور اور مادہ خارج ہونے کو ہوتا ہے تو اس کا روکنا یا خارج کرنا اپنے اختیار میں نہیں رہ جاتا، اس لئے علاحدہ ہوتے ہوتے بھی چند قطرات اپنی جگہ گر کر مادۂ تولید وولادت بننے کیلئے کافی ...... ہو جاتے ہیں، اور خود اس شخص کو پتہ بھی نہیں چلتا''(۱)

حضرت موصوف کے اس بیان کی حدیث میں ذکر کردہ ایک واقعہ سے پوری تائید ہوتی ہے:

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص آئے اور عرض کیا کہ میرے پاس ایک باندی ہے جو ہماری خدمت کے کام کاج کرتی ہے، اور میں اس سے وطی کرتا ہوں تو ڈرتا ہوں کہ حمل نہ ٹھہر جائے''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اگر چاہو تو عزل کر لیا کرو، ویسے اس کے پاس وہ آکر رہے گا جو اس کیلئے مقدر کیا جا چکا ہے، چنانچہ کچھ وقت کے بعد وہ آدمی پھر آیا اور آپ کو خبر دی کہ باندی حاملہ ہوگئی ہے، آپؐ نے فرمایا میں نے تو کہا تھا''(۲)

امام نوویؒ شرح مسلم میں فرماتے ہیں:

''اگرچہ راجح قول کے مطابق عزل ہمارے یہاں کسی حال میں بھی حرام نہیں ہے لیکن مکروہ بہرحال ہے اس لئے کہ یہ بھی نسل کو ختم کر دیتا ہے، اسی لئے حدیث پاک میں اسے وأدِ خفی فرمایا گیا ہے کہ جس طرح زندہ درگوی سے اولاد کو ختم کر دیا جاتا ہے اس کے ذریعہ سلسلۂ ولادت کو ختم کیا جاتا ہے (اور دونوں کا حاصل ونتیجہ ایک ہے

(۱) حجۃ اللہ البالغہ: ۲/۱۳۴ (۲) مشکاۃ، ص: ۲۷۳

یعنی اضافہ نسل سے محرومی)"(۱)

صاحب مرقاۃ ملا علی قاریؒ احادیث عزل کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عزل کو وأدِ خفی فرمایا ہے، اس لئے کہ آپ نے نطفہ (جسے اللہ تعالیٰ نے اس لئے پیدا کیا ہے کہ اس کے ذریعہ حمل و اولاد وجود میں آئے) کے ضائع کرنے کو زندہ درگوری سے تشبیہ دی ہے، اس تشبیہ کی بنیاد یہ ہے کہ عزل کرنے والا شخص مادہ کو اس کی جگہ نہ گرا کر اس استعداد خاص کو بیکار و ضائع کرنے کی سعی کرتا ہے، جو حضرات عزل کو ناجائز قرار دیتے ہیں ان کی یہی دلیل ہے، لیکن قائلین جواز اس روایت کو نسخ یا تہدید (ڈانٹ ڈپٹ وغیرہ) یا عدم اولویت پر محمول کرتے ہیں"

آگے چل کر لکھتے ہیں:

"عدم اولویت پر محمول کرنا ہی اولیٰ ہے...... اس لئے کہ عزل (حقیقۃً) وأدِ خفی کے معنی میں نہیں ہے کہ عزل میں روح کا بدن سے نکلنا نہیں پایا جاتا، ہاں وأد سے مشابہ ضرور ہے"

چند سطروں کے بعد فرماتے ہیں:

"بظاہر نہی (ممانعت) تنزیہ پر محمول ہے، قاضیؒ فرماتے ہیں: عزل کو وأدِ خفی اس لئے کہا گیا ہے کہ عزل اس نطفہ کو۔ جو مستقبل میں مولود بننے کیلئے بنایا و پیدا کیا گیا ہے، ضائع و تلف کرنے میں کسی پیدا شدہ زندہ لڑکے کو ہلاک کرنے اور زندہ درگور کرنے کے مشابہ ہے، لیکن اس میں شبہ نہیں کہ عزل زندہ درگوری سے کمتر ہے، اسی لئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے خفی فرمایا ہے اور جو چیز وأدِ حقیقی کے مشابہ ہو وأدِ حقیقی کی حرمت کی وجہ سے اس کی حرمت لازم نہیں آتی جب تک کہ علت و حرمت میں وہ وأدِ حقیقی کی شریک نہ ہو"(۲)

ابن القیم نے زاد المعاد میں عدم جواز کی روایت کے جواب میں کراہت تنزیہیہ کا ذکر بھی کیا ہے(۳)

اور صاحب فتح القدیر نے کراہت کی بابت مشائخ احناف کا اختلاف نقل کیا ہے(۴)

---

(۱) نووی علی مسلم:۱/۴۶۴ (۲) مرقاۃ:۶/۲۳۸و۲۳۹ (۳) زاد المعاد:۴/۱۷ (۴) فتح القدیر:۲/۴۹۴

بہر حال ان تفصیلات و تصریحات کا خلاصہ یہ نکلا کہ عزل ممنوع نہیں بلکہ جائز ہے، مگر بلا عذر ہو تو مکروہ تنزیہی ضرور ہے، اور معقول اور شرعاً معتبر عذر کی بنا پر ہو تو بلا کراہت جائز ہے، البتہ آزاد عورت میں یہ جواز متقدمین کے نزدیک اس کی اجازت پر موقوف ہے، اور متاخرین نے عذر کی بنا پر بغیر اجازت بھی جائز قرار دیا ہے، جیسا کہ علامہ ابن الہمامؒ نے بعض فتاویٰ سے نقل کیا ہے(۱)

اور شامیؒ و طحطاویؒ نیز صاحب بحر نے بھی اس کا ذکر کیا ہے اور تائید و تقویت کی ہے، بلکہ علامہ طحطاویؒ تو فرماتے ہیں:

"چونکہ صاحب بحر کا ارشاد ہے کہ فقہاء فرماتے ہیں ہمارے زمانہ میں فسادِ زمانہ کی وجہ سے بھی مباح ہے ــــ اس بنا پر عورت سے اجازت نہ لینے کا قول، مذہب مختار و منصوص قرار پائیگا(۲)

عزل کے اعذار

فقہاء نے مختلف اعذار ذکر فرمائے ہیں، اس سلسلہ میں علامہ ابن الہمامؒ فرماتے ہیں:

"اگر فساد زمانہ اور ماحول کے بگاڑ کی وجہ سے اولاد کے بگڑ جانے کا اندیشہ ہو تو عورت کی اجازت کی ضرورت نہیں"(۳)

اولاد کے بگڑنے سے کیا مراد ہے؟ علامہ طحطاویؒ اس کی توضیح میں فرماتے ہیں:

"اولاد اپنے والدین کی مطیع و فرمابردار نہ بنے"

اس کے بعد علامہ موصوفؒ فرماتے ہیں:

"نیز اگر عورت بداخلاق ہے اور اندیشہ ہے کہ اولاد ہونے کے بعد اس کی بداخلاقی میں اضافہ ہو جائیگا، اس بنیاد پر کہ اولاد ہو جانے کے بعد اسے طلاق کا کوئی خدشہ و خطرہ نہیں رہ جائیگا ــــ تو اس صورت میں بھی اس کی اجازت کی ضرورت نہیں(۴)

امام غزالیؒ عزل کے اعذار نیز ان تینوں اسباب پر کلام فرماتے ہوئے ــــ جن کی بنیاد پر انسان عزل کرتا ہے ــــ فرماتے ہیں:

---

(۱) فتح القدیر:۲/۴۹۴ (۲) طحطاوی علی الدر:۲/۷۶ والبحر:۳/۳۰۲ و شامی، ج:۵

(۳) فتح القدیر:۲/۴۹۴ (۴) طحطاوی علی الدر:۲/۷۶

’’اگر کوئی شخص اس نیت سے عزل کرے کہ عورت کا حسن برقرار رہے تا کہ وہ اس سے زیادہ سے زیادہ حظ اندوز ہو، نیز اس کی محبت اس کے ساتھ باقی و برقرار رہے یا اس خیال سے عزل کرے کہ اس کی بیوی حمل کی تکلیفات نیز دردزہ وغیرہ کو برداشت نہ کر سکے گی اور حمل کے پیچھے اسے جان سے ہاتھ دھونا پڑے گا ــــ تو عزل جائز ہے‘‘(۱)

علامہ یوسف القرضاویؒ نے اعذار عزل کے بیان میں سب سے پہلے حمل یا وضع حمل کی وجہ سے عورت کی زندگی یا صحت کی خرابی کے خطرہ و خیال کا ذکر کیا ہے، بشرطیکہ تجربہ یا طبیب حاذق سے اس کی تصدیق ہو چکی ہو، موصوف نے ایک عذر کا ان الفاظ میں ذکر فرمایا ہے:

’’اگر عورت کی گود میں شیر خوار بچہ موجود ہو، تو چونکہ استقرار حمل یا دوسرے بچے کی ولادت سے اس بچے کو ضرر پہونچ سکتا ہے، اس لئے عزل کے حق میں یہ عذر بھی معتبر ہے، اسی لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے گود میں شیر خوار بچہ کے ہوتے ہوئے جماع سے یہ کہہ کر منع فرمایا: ’’اپنی اولاد کو خفیۃً قتل نہ کرو‘‘ ــــ آپ کا مطلب یہ تھا کہ اس حالت میں جماع کا اثر ماں کے دودھ پر اور اس کے واسطے سے بچہ کی صحت پر پڑتا ہے، نتیجۃً بچہ کمزور ہوتا چلا جاتا ہے‘‘(۲)

حکیم الاسلام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمۃ ان اعذار پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

’’حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے گود میں شیر خوار بچہ کی موجودگی میں جماع سے منع فرمایا ہے، اگرچہ حرام قرار نہیں دیا، ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ دودھ پلانے والی عورت کے ساتھ جماع و صحبت کرنے سے اس کا دودھ متاثر ہوتا ہے، اور اس کے واسطے سے بچہ کو نقصان پہنچتا ہے ــــ کیونکہ صحبت و جماع بچہ کی صحت کو اور بسا اوقات اس کی زندگی کو خطرہ میں ڈال دیتا ہے ــــ یہ عذر اگرچہ اس درجہ اہم تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے پیش نظر اس حال میں صحبت کو حرام قرار دینے کا ارادہ فرما لیا تھا، لیکن آپ نے بذریعہ اجتہاد حالات کا جائزہ لیکر یہ فیصلہ فرمایا کہ اس سے نقصان ضرور ہوتا ہے، لیکن ایسا زیادہ نقصان نہیں ہوتا کہ اسے حرمت کا مدار بنا دیا

(۱) احیاء العلوم:۲/۲۲ (۲) الحلال والحرام، ص:۱۶۵و۱۶۶

جائے لہذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ناپسند بنایا اور حرام نہ فرمایا‘‘(۱)

علامہ ابن القیمؒ خاص اس حالت سے متعلق گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

’’چونکہ عموماً لوگ دودھ پلانے والی عورتوں سے صحبت کرتے ہیں اور شیر خوارگی کی مدت دو سال کی طویل مدت ہوتی ہے، اس لئے اس سے صبر کرنا بھی دشوار ہوتا ہے، لہذا آپ نے مصالح کی پوری رعایت فرماتے ہوئے اسے حرام نہیں قرار دیا، کسی دلیل سے حرمت نہیں ثابت ہوتی، ہاں اس میں ضرر رسانی ضرور بتائی ہے، یہی وجہ ہے کہ اہل عرب عموماً اپنے بچوں کو دوسری عورتوں سے دودھ پلوایا کرتے تھے‘‘(۲)

گذشتہ سطور میں ہم نے اس سلسلہ کے پانچ اعذار کا ذکر کیا ہے، ان میں سے اول کا تعلق زوجین (مرد و عورت دونوں) سے ہے، دوم کا تعلق صرف شوہر سے اور سوم و چہارم کا تعلق صرف بیوی سے ہے، اور پنجم کا تعلق خود اولاد سے ہے۔

دو اشکال

اس موقع پر جبکہ عزل کی بحث ختم ہونے والی ہے، خیال ہوتا ہے کہ بعض حضرات اس بحث کا مطالعہ کرنے پر شاید یہ احساس کریں جس نہج پر کتاب شروع ہوئی تھی وہ نہج اس باب میں باقی نہیں رہا، اس لئے کہ موضوع منصوبہ بندی کی مختلف صورتوں سے روکنا اور ان کو شرعاً ممنوع ثابت کرنا ہے، اور اس باب میں عزل کی بابت بار بار جواز اور زیادہ سے زیادہ کراہت تنزیہیہ کا ذکر ہے اور مکروہ تنزیہی کا ارتکاب کوئی سخت گناہ اور موجب عذاب نہیں ہے، لہذا مذکورہ اعذار کے بغیر عزل کی پوری پوری گنجائش موجود ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ بعض اہل علم حضرات شاید یہ فرمائیں کہ کتابوں سے مطلب کی باتیں تو لے لیں اور بہت سی باتیں چھوڑ دیں، آخر یوسف القرضاویؒ نے ایک عذر یہ بھی تو ذکر کیا ہے:

’’اگر اولاد کی وجہ سے ایسی دنیوی الجھنوں اور تنگیوں میں پڑ جانے کا اندیشہ ہو جو اسے دین کے اور آخرت کے نقصانات میں مبتلا کر دیں تو بھی عزل جائز ہے‘‘(۲)

(۱) حجۃ اللہ البالغہ:۲/۱۳۵ (۲) زاد المعاد:۴/۱۸ (۲) الحلال والحرام، ص:۱۶۶

اور امام غزالیؒ نے بھی اس عذر کا تذکرہ کیا ہے۔

جوابات اشکال

ہم عرض کریں گے کہ کٹ حجتی کرنا اور بے دلیل کسی بات کا ذکر کر دینا ـــــ ہمارا مقصود ہرگز نہیں ہے، ہمارا مقصد اول احقاق حق ہے، اس کے ضمن میں جو بات جہاں تک حق ہوگی اسے ضرور ''من وعن'' بیان کریں گے، عزل کی بابت جو تفصیلات اب تک پیش کی جاچکی ہیں، وہ سب حق اور تمام کتابوں میں مذکور ہیں، اس لئے اُن کا ذکر ضروری تھا، باقی جہاں تک سوال ہے بے عذر شرعی عزل کرنے کا تو شریعت کا ایک قاعدہ یاد رکھئے کہ شریعت نے اعمال کا مدار نیتوں پر رکھا ہے، نیت کے بگڑے سے بڑے سے بڑا عمل اللہ کے یہاں مردود و بے ثمرہ قرار پاتا ہے، اور نیت درست ہو تو معمولی عمل اس کے یہاں بڑی قیمت رکھتا ہے۔

بغیر عذر کے عزل کرنا مکروہ تنزیہی ہے اس سے زیادہ نہیں، لیکن ایک بات یہ کہ مکروہ تنزیہی اگرچہ گناہ کا باعث نہ بنے لیکن شرعاً مطلوب و پسندیدہ نہیں ہوتا، بعض حضرات کی تفصیل کے مطابق یہ سنت کا بالمقابل پہلو ہے، اور سنت کا نہ کرنا موجب عتاب و ملامت ہوتا ہے، اس بنیاد پر یہ عمل عتاب و ملامت کا باعث بن سکتا ہے، ورنہ ناپسندیدہ تو ہے ہی اور ایک مسلمان کیلئے یہ بھی کم درجہ کی بات نہیں، دوسری بات یہ کہ اگر کسی شخص نے عزل کسی ایسی نیت سے کیا جو شرعاً غیر معتبر اور غلط ہو تو جس درجہ کی وہ غلطی ہوگی اسی درجہ کا حکم عزل پر لگایا جائیگا، پھر کراہت تنزیہیہ نہیں باقی رہ جائے گی۔

ظاہر ہے کہ فیملی پلاننگ یا تحدید نسل کی بنیاد جس خیال وعقیدہ پر قائم ہے وہ سرا سر عقائد اسلامیہ اور احکام شرعیہ کے خلاف ہے، آغاز کتاب میں بالتفصیل اس پر روشنی ڈالی جاچکی ہے کہ رزق کا معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہے، اس باب میں اس پر اعتماد و توکل ضروری ہے، یہ کہنا کہ اگر اتنی اور اتنی آبادی ہوگئی تو کہاں سے کھائے گی اللہ کے ساتھ بدگمانی ہے جو جائز نہیں ہے۔

لہٰذا اگر کوئی شخص تحدید نسل کے فلسفہ کی بنیاد پر عزل کرے گا تو اللہ تعالیٰ کی ذات

پر بے اعتمادی کی وجہ سے یہ عزل سراسر حرام قرار پائے گا۔

دوسرے اشکال کا جواب یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی ایسا نہیں ہے جس کی ساری کی ساری باتیں اور خیالات مان لئے جائیں خوہ کوئی ہو، خاص طور پر امور شرعیہ میں (جبکہ اس کے خلاف دلائل بھی موجود ہوں) نبی کے علاوہ کسی کی ہر بات ماننا درست نہیں، ظاہر ہے کہ اگر ـــــــــ

يُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ـــ (١)	اللہ تعالیٰ کو تمہارے ساتھ آسانی کرنا منظور ہے اور تمہارے ساتھ دشواری منظور نہیں

اور

مَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ ـــــ (٢)	اللہ نہیں چاہتا کہ تمہارے اوپر کوئی تنگی منظور نہیں۔

جیسی آیات کو موقع بے موقع حجت بنایا جانے لگے تو دین کی کوئی قدر و قیمت اور شریعت کا کوئی حکم وعمل باقی نہیں رہ جائے گا، جہاں کوئی آدمی بظاہر کسی شرعی قید و بند میں پھنسے گا جھٹ یہ آیات پڑھ کر خلاف شرع کوئی صورت اختیار کر کے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔

عزل کے متعلق جو تفصیلی یا واقعاتی روایات ملتی ہیں، ان میں یا تو باندی سے عزل کا تذکرہ ہے یا اولاد کو ضرر سے بچانے کیلئے عزل کا ذکر ہے ـــــــ اور علامہ یوسف القرضاویؒ فرماتے ہیں کہ:

''حضرات صحابۂ کرام منع نسل یا تقلیل نسل کیلئے ایسا کیا کرتے تھے'' (٣)

حالانکہ عزل سے متعلق تفصیلی روایات نیز وہ روایات جن میں کثرت اولاد کی ترغیب دلائی گئی ہے اور جن میں اتباع سنت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال افعال کے اختیار کرنے پر حضرات صحابہ کی حرص کا تذکرہ کیا گیا ہے مزید براں حضرات صحابہ کی اولاد کی کثرت کو دیکھتے ہوئے موصوف کی یہ تحقیق دل کو لگتی نہیں، اس لئے کہ جو مزعومۂ باطل تقلیل نسل کی بنیاد ہے ان کے وہم وگمان میں بھی نہیں آسکتا تھا، روایات

(١) سورۂ بقرۃ، رکوع:٢٣ (٢) سورۂ مائدہ، رکوع:١ (٣) الحلال والحرام، ص:١٦٥

سے بظاہر باندیوں سے ہی عزل کرنا ثابت ہوتا ہے، اور باندیوں سے عزل کی وجہ یہ ہوتی تھی کہ ان کے بطن سے پیدائش کوئی پسندیدہ وصف نہیں تھا، اس لئے یہ حضرات اپنی اولاد کو اس مذموم وصف سے محفوظ رکھنے اور اپنے نطفہ کو ایسی اولاد کی پیدائش کا باعث بننے سے روکنے کیلئے عزل کیا کرتے تھے اور معاش کے باب میں پورا دن ایک کھجور یا کسی درخت کی چند پتیوں پر گذار کر بھی حکم بجالاتے اور تعلیم و تربیت کا مدار ان کے نزدیک معاشی حالات پر نہیں تھا۔

دین و دنیا کا معتبر حرج

علامہ موصوف نے دنیاوی حرج و تنگی کا اعتبار ضرور کیا ہے، لیکن ان کی عبارت سے دو قیدیں مستفاد ہوتی ہیں، ایک تو یہ کہ دنیاوی حرج کو رفع کرنے کی خاطر دین کے حرج و نقصان میں مبتلا ہو جائے اور دوسرے یہ کہ دین میں حرج اس طرح کا پیدا ہو جائے کہ اولاد کی ضروری نگہداشت و پرورش کی خاطر وہ حرام مال و ناجائز افعال کو اختیار کرنے لگے ـــــــ امام غزالیؒ نے بھی تقریباً اسی معنی میں دین کے حرج کا اعتبار کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

"دنیوی الجھنوں کی کمی آدمی کے دین میں مدد پہنچاتی ہے"

غور کیا جاسکتا ہے کہ کہاں وہ گندی نیتیں جو اس منصوبہ کے اپنانے والوں کو اس عمل پر آمادہ کرتی ہیں، اور کہاں یہ اعذار جن کی شریعت مختلف مواقع پر رعایت کرتی ہے، اور وہ بھی حرام مال اور ناجائز افعال کے اختیار کرنے کی نوبت جس سے آدمی کی عاقبت خراب ہوتی ہے، لہذا اس نیت کے ساتھ یہ عمل جائز نہ ہوگا، ہاں اگر حقیقۃً تنگی و پریشان حالی کی بنا پر اس کی نوبت آجائے یا قوی اندیشہ اس کا ہونے لگے تو ضرور گنجائش ہوگی، ورنہ محض نیت خیر جبکہ مفاسد پر مشتمل ہو جواز کا باعث نہیں بن سکتی، امام غزالیؒ نے عزل کے اعذار کی تفصیل کرتے ہوئے فرمایا ہے:

"اگر کوئی شخص اس نیت سے عزل کرے کہ اگر لڑکی ہوئی تو اس کی شادی کرنی پڑے گی یا کوئی عورت اس خیال سے حمل سے بچنا چاہے کہ اس کی وجہ سے مجھے بچہ کی گندگیوں میں آلودہ ہونا پڑے گا، اس کی دیکھ بھال کرنی ہوگی، درد زہ کی تکلیف اور

نفاس کی مشقتیں جھیلنی ہوں گی اور بچہ کو دودھ پلانا ہوگا، جیسا کہ خوارج کی عورتیں کیا کرتی ہیں، ایسی تمام نیتوں سے عزل کرنا شرعاً غلط اور ناجائز ہے، یہ نیتیں فاسد اور خلاف شرع وخلاف سنت ہیں"(۱)

عبارت بالا میں دو صورتیں بیان کی گئی ہیں، پہلی صورت کا تعلق دنیوی حرج سے بھی ہوسکتا ہے، اس لئے کہ ابتداءً تفصیل سے لکھا جاچکا ہے کہ عربوں میں زندہ درگوری کا رواج محض عار و شرم کی بنا پر ہی نہ تھا بلکہ بسا اوقات لڑکی کے پیچھے خرچ کی زیادتی کا احساس بھی اس کی بنیاد بنتا ہے، مذکورہ صورت میں بھی یہ دونوں باتیں پیش نظر ہوسکتی ہیں ـــــــ اور دوسری صورت کا تعلق تو دین کے حرج سے ظاہر ہے کہ بچوں کی وجہ سے عورتیں بہت سی طاعات سے محروم رہتی ہیں، غور فرمائیے کہ امام موصوف نے عزل کی بابت دین و دنیا کے حرج کا اعتبار کیا ہے، پھر بھی ان دونوں صورتوں کو خلاف شرع وخلاف سنت قرار دے کے ممنوع قرار دیا ہے، معلوم یہ ہوا کہ محض دین و دنیا کے حرج کا بھی اعتبار نہیں جب تک کہ بنیاد کوئی امر شرعی نہ ہو، لہذا تحدید نسل کے نظریہ وفلسفہ کے تحت ایسا کرنے کا کیا حکم ہوگا، غور کرلیا جائے۔

ایک اہم اصول اور نظریہ تحدید نسل

حکیم الاسلام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اس سلسلہ میں ایک اصولی بات فرمائی ہے جو بہت پسند آئی اور اس موقع پر اس کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے، فرماتے ہیں:

"اصل معاملہ یہ ہے کہ اس باب میں مصالح متعارض ہیں، شخصی (ذاتی وفردی) مصالح کا تقاضہ ہے کہ عزل جائز ہو، اور اسے اختیار کیا جائے ـــــ اور نوعی (قومی واجتماعی) مصالح کا تقاضہ ہے کہ ایسا نہ کیا جائے تاکہ کثرت اولاد قیام نسل اور بقاء انسانیت کا ذریعہ ہے ـــــ اور قاعدہ ہے کہ مصلحت شخصیہ کے مقابلے میں مصلحت نوعیہ راجح ہوا کرتی ہے، احکام شرعیہ وتکوینیہ میں عمومی اصول یہی رائج ہے"(۲)

حضرت شاہ صاحبؒ کی یہ تقریر و تحریر اس باب میں حرف آخر اور قول فیصل کی حیثیت رکھتی ہے۔

(۱) احیاء العلوم: ۲۲/۲ (۲) حجۃ اللہ البالغۃ: ۱۳۴/۲

مثبت پہلو کے متلاشی حضرات کی خدمت میں

ایسے مسائل کم ہوتے ہیں جن میں عدم جواز کے قول کے ساتھ جواز کے نرم پہلو کو اختیار کرنے والے موجود نہ ہوں، اس مسئلے کا بھی یہی معاملہ ہے، بہت سے لوگ مختلف عنوان سے اس باب میں جواز کے قائل ہیں، ایک جماعت نے اس کیلئے ''مثبت پہلو'' کا عنوان اختیار کیا ہے، اس جماعت کی جو تحقیقات ہم تک پہنچ سکی ہیں، ان کا ایک مختصر جائزہ پیش خدمت ہے، ان حضرات کی چار دلیلیں ہمارے سامنے آسکی ہیں:

اول: ــــ ارشاد باری تعالیٰ ''ذٰلِکَ اَدْنٰی اَنْ لَّا تَعُوْلُوْا'' (اس میں زیادتی نہ ہونے کی توقع قریب تر ہے)

دوم: ــــ قیامت میں کثرت امت پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فخر محض کثرت پر نہیں، بلکہ کثرت صالحین پر ہوگا۔

سوم: ــــ ارشاد نبوی اِنَّ اَغْبَطَ اَوْلِیَائِیْ عِنْدِیْ مُؤْمِنٌ خَفِیْفُ الْحَاذ (میرے اولیاء میں سب سے زیادہ لائق رشک میرے نزدیک وہ مومن ہوگا جو کہ ہلکی پیٹھ والا ہو) یعنی کم مال اور کم عیال والا ہو۔

چہارم: ــــ فتح القدیر وغیرہ میں ذکر کردہ وہ جزئیہ کہ فساد زمان کی وجہ سے عزل جائز ہے۔

ان چاروں دلیلوں میں سے چوتھی دلیل پر کلام تفصیل سے گذر چکا ہے، جس سے بخوبی واضح ہوگیا ہے کہ اس جزئیہ کا تعلق ''تحدید نسل'' یا ''فیملی پلاننگ'' کے موضوع سے نہیں بلکہ بچوں کی عام تہذیب و تربیت سے ہے، اس سلسلہ میں یہ صحیح ہے کہ آج بڑی حد تک گراوٹ پیدا ہوچکی ہے، لیکن ایسی عام بھی نہیں ہے کہ پیدائش و

افزائش کا سلسلہ بند کردیا جائے؛ اصل معاملہ تو تربیت پر موقوف ہے، اور خرابی تربیت میں کمزوری کی وجہ سے پیدا ہورہی ہے۔

باقی تینوں دلیلوں کا ہمیں مختصر جائزہ لینا ہے، اجمالاً یہاں ان کی بابت بھی یہ عرض کردینا شاید بے محل نہ ہوگا کہ تحدید نسل اور فیملی پلاننگ کے فاسد نظریہ سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

آیت مذکورہ کی تفسیر میں مفسرین کے دو اقوال ہیں قول اول یہ کہ اس سے مراد کثرت عیال کا نہ ہونا ہے، اور قول ثانی ظلم نہ کرنا، قول اول کو بعض حضرات نے اختیار کیا ہے، جن میں حضرت امام شافعیؒ کا بھی ذکر کیا جاتا ہے، اور قول ثانی جمہور مفسرین کا ہے جیسا کہ ابن کثیرؒ نے ذکر کیا ہے(۱)

اس قول کی کیا حقیقت ہے اور اس کا کیا درجہ ہے؟ اس کی حقیقت تو محض اس تقابل سے واضح ہوجاتی ہے کہ صرف بعض حضرات کا قول ہے، جمہور اس کے مخالف ہیں، پھر یہ کہ محقق مفسرین احناف و شوافع نے اس تحقیق کا رد کیا ہے، علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

> ''اس آیت کی تفسیر میں اس قول کا اختیار کرنا محل نظر ہے، اس لئے کہ جیسے بیویوں کی کثرت کی وجہ سے اولاد کی کثرت کا خدشہ ہوسکتا، باندیوں کی کثرت بھی اس کا باعث بن سکتی ہے''(۲)

بلکہ باندیوں کی اولاد کی کثرت زیادہ برائی رکھتی ہے، اس لئے کہ ان سے ہونے والی اولاد غلام ہوگی اور غلامی انسانیت کیلئے عار و ذلت کا سبب ہوتی ہے، اگرچہ صاحب روح المعانی نے باندیوں کے ذریعہ کثرت اولاد کے احتمال کو یہ کہہ کر رد کردیا ہے کہ باندی سے عام عادت چونکہ عزل کی رہی ہے، اس لئے اس میں اس کا احتمال ضعیف ہے، ویسے انہوں نے اس میں قول ثانی کو راجح اور اظہر قرار دیا ہے، نیز ذکر کیا ہے کہ حافظ ابن حجرؒ نے تصریح کی ہے کہ امام شافعیؒ کی اس تفسیر میں متقدمین کی ایک بڑی جماعت نے ان سے کنارہ کشی اختیار کی ہے(۳)

(۱) تفسیر ابن کثیر: ۱/۴۵۱ (۲) ابن کثیر: ۱/۴۵۱ (۳) روح المعانی: ۴/۱۹۷

پہلو یعنی اولاد کی کثرت اور مال کی قلت اور اس کی وجہ سے پریشانی کے حال میں بھی اللہ سے تعلق واعتماد کے سلسلے میں فرمایا گیا ہے:

> ''اللہ تعالیٰ اپنے ایسے مومن بندہ سے محبت فرماتا ہے جو تنگدست ہو، لیکن سوال سے بچتا ہو باوجود اس کے کہ عیال دار ہو''(۱)

اور آخری بات یہ ہے کہ حدیث کا ''تحدید نسل'' سے بہر حال کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ مطلق اولاد کی کمی مراد ہے، جو غیر اختیاری بھی ہوسکتی ہے، اور اختیاری بھی اور اختیاری میں بھی ''تحدید نسل'' کے تحت قلت ضروری نہیں ہے بلکہ اس کے تحت قلت کا ماننا نامناسب ہی نہیں بلکہ منشاء شارع کے خلاف ہے کہ اس نظریہ کی بنیاد ہی شرعاً ایک باطل عقیدہ پر قائم ہے۔

(۱) مشکاۃ، ص: ۴۴۹

نظریہ تحدید نسل کی آپ بیتی

گذشتہ تمام تفصیلات کا تعلق اس مسئلہ کی بابت شرعی نقطۂ نظر کی وضاحت سے ہے اور عقلی تجرباتی نقطۂ نظر کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا ہے، جو حضرات عقل وتجربہ کا فیصلہ تفصیلی طور پر جاننا چاہتے ہوں وہ مولانا مودودی مرحوم کی کتاب ''ضبط ولادت'' کا مطالعہ کریں کہ اس میں موصوف نے بڑی تفصیل کے ساتھ اپنے خیالات ومعلومات نیز دوسروں کی آراء ونظریات اور مختلف ملکوں کے تجربات کو جمع فرما کر اتمام حجت کر دیا ہے۔

اس باب میں ہم مختصراً یہ ذکر کرنا چاہتے ہیں کہ اس کی ترویج کا بنیادی مقصد کیا ہے؟ بنیادی نعرہ کیا ہے؟ اور یہ کہ مختلف ممالک میں اس پر کیا گذری؟ جس کی نوبت بتدریج یہاں بھی آسکتی ہے۔

آج جبکہ ساری جبکہ ساری مغربی دنیا جو عامۃً ساری مشرقی دنیا کی مقتدا و پیشوا ہے اور اس کے فرسودہ سے فرسودہ فیشن وخیالات کا اپنانا مشرق کے لئے باعث فخر و عزت اور اپنے آقا کی نگاہ میں محبوب ومعزز بننے کا ذریعہ ہے، وہی مغربی دنیا اس منصوبہ کو آزما کر تھک چکی ہے، نہ جانے کتنے ممالک نے ہمیشہ ہمیش کیلئے اس سے توبہ کر لی، جہاں انہوں نے سختی کے ساتھ اس منصوبہ کو عملی جامہ پہنایا وہیں انعامات کا لالچ دے کر اور ان سے نواز کر اولاد کے پیدا کرنے پر آمادہ کیا، تو اب ہزار خرابیاں ثابت ہو جانے کے باوجود ہمارے مشرقی ممالک خواہ مسلم ملک ہوں، یا سیکولر ممالک،

اورترقی یافتہ شمار ہوتے ہوں، یا پسماندہ، سب کے سب اس منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے میں اپنی ساری جدوجہد صرف کررہے ہیں، حالانکہ تجربہ نے تو بعد میں ثابت کر ہی دیا، بہت سے مغربی مفکرین کی رائے روزِاول سے ہی اس نظریہ کی ترویج واشاعت کی بابت بہت سخت تھی، اوروہ اسے قوم وملت کے حق میں انتہائی ضرررساں بتاتے رہے، حتیٰ کہ تجربہ نے انہیں کی رائے کی تصدیق کی، چند مفکرین کی رائیں ملاحظہ ہوں۔

بنیادی مفاسد

نیویارک کا ایک ممتاز ڈاکٹر ''ڈاکٹرسی بیڈرس'' زوجین کے اس منصوبہ پر عمل پیرا ہونے کے متعلق تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''یہ شادی نہیں بلکہ زناکاری ہے، یہ قحبہ گری کا نیادور ہے، جو ہماری ماؤں بہنوں کو یہ تعلیم دیتا ہے کہ ناجائز عشق کریں اور بے خوف وخطر اپنی خواہشات کو پورا کرلیں، برتھ کنٹرول کے اس طریقہ میں کوئی ایسی چیز نہیں جو کسی نہ کسی شکل میں قحبہ خانوں کے اندر موجود نہ ہو''(۱)

ڈاکٹر ڈبلیو اے اسٹائل لکھتا ہے:

''اگرامریکہ میں برتھ کنٹرول اسی طرح جاری رہا تو آئندہ ڈیڑھ سوسال میں امریکہ اپنے تفوق وبرتری کو کھودے گا''(۲)

ان دونوں عبارتوں میں دو عظیم خرابیوں کا ذکر ہے، اول میں اخلاقی اوردوم میں قومی وملکی واجتماعی کہ اس نظریہ اوراس کی عملی شکلوں کی ترویج واشاعت سے فواحش کو تقویت ملتی ہے، اورزناکاری کی کثرت ہوتی ہے، اس لئے کہ بہت سے لوگ محض حمل کے ڈر سے (جو کہ چوری چھپے ہونے والے زنا کو پردۂ خفا سے بام شہرت پر لے آتا ہے) زناکاری سے بچتے ہیں، اوراس نظریہ کے تحت اپنائے جانے والے اعمال نے حمل سے بچنے کی مختلف صورتیں پیش کردی ہیں، جو اس شنیع وقبیح عمل کو پوشیدہ رکھنے کا بہترین ذریعہ ہیں، یہ تو اخلاقی خرابی ہوئی۔

(۱) کثرتِ آبادی کا علاج، ص:۸ (۲) کثرتِ آبادی کا علاج، ص:۱۹

اورملکی وملی خرابی جو اس سے پیدا ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ اس کے نتیجے میں قوم وملت بتدریج فنا کے گھاٹ تک پہنچ جاتی ہے، اس لئے کہ ابتداءً اس سے افراد میں کمی واقع ہوتی ہے، یہ بھی ایک بڑا نقصان ہے کہ بہت سے مواقع پر افراد کی کثرت ہی کام کرتی ہے ـــــ لیکن بڑی خرابی وہ ہے جو قلت افراد کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے، اوروہ یہ کہ ظاہر ہے کہ ہرفرد سمجھدار وعقلمند اورقوم کیلئے فعال ومفید نہیں ہوتا، افرادِ قوم میں کمی کے اعتبار سے ایسے فعال وسودمند افراد کی تعداد میں بھی کمی واقع ہوتی رہتی ہے، حتیٰ کہ نوبت یہاں تک آتی ہے کہ قوم میں کوئی کارآمد ذہن اورمنفعت رساں عقل باقی نہیں رہ جاتی، اوریوں قوم تعداد وافراد کے اعتبار سے بھی تباہ ہوجاتی ہے، اوراپنے کارناموں کے اعتبار سے بھی۔ تقلیل اولاد کے واقعی نقصانات کے ضمن میں یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ اس فلسفہ پر عمل کرکے اگرکسی نے صرف ایک یادو اولاد حاصل کرلی تو اولاد یہ ضروری نہیں کہ دونوں لڑکے ہوں، یا ایک لڑکی اورایک لڑکا ہوسکتا ہے کہ دونوں اولاد لڑکیاں ہوں، ثانیاً جو اولاد ہوجائے اس کا زندہ رہ کر جوان وبڑا ہونا ضروری نہیں ہے، بہت ممکن ہے کہ کوئی ایک یا دونوں بچپن میں یا کسی لائق یا کارآمد ہونے سے پہلے مرجائیں، تو ماں باپ جنہوں نے نس بندی کرالی ہو یا اب اولاد کے لائق نہ رہ گئے ہوں کہاں سے اولاد حاصل کریں گے۔ اورزندہ رہ جانے کی تقدیر پر ہرایک کا صاحب علم اوراہل صلاحیت ہونا لازم نہیں جیسا کہ آج تجربہ میں بھی آرہا ہے اوراولاد زیادہ ہو تو یہ احتمالات کمزور ہوتے چلے جاتے ہیں، چنانچہ قرآن مجید نے ایک آیت میں ان الفاظ کے ساتھ ان تمام نقصانات کی جانب اشارہ کیا ہے:

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ	بڑے ہی گھاٹے میں وہ لوگ آگئے جنہوں
قَتَلُوْا اَوْلَادَهُمْ	نے اپنی اولاد کو قتل کردیا ازراہ حماقت
سَفَهًا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَ	بغیر کسی بنیاد کے اورجو کچھ انہیں اللہ نے
حَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ـــــ (۱)	نصیب کررکھا تھا اسے اپنے اوپر حرام کرلیا

مولانا عبدالماجد صاحبؒ فرماتے ہیں:

(۱) سورۂ انعام، رکوع:۱۴

"اولاد کشی کی رسم کسی ایک قوم یا ملک تک محدود نہ تھی، عرب ہندوستان، یونان رومہ سب اس بلا میں مبتلا تھے، اسلام نے آکر اس دستور کو مٹا کر محض قومی یا ملکی نہیں بلکہ ایک عالمی اور کائناتی اصلاح انجام دی"(۱)

آیت کے آخری ٹکڑے کے متعلق فرماتے ہیں:

"ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد مقتول اولاد ہی ہو جن کا ذکر چل رہا تھا یعنی ملتی ہوئی اولاد سے ہاتھ دھو بیٹھے، آج "منع حمل" کے نام سے جو ملعون تحریک دجل وتزدیر کی انتہائی خوشنمائیوں اور رنگ آمیزیوں کے ساتھ شائع ہو رہی ہے وہ پوری طرح اس کے تحت آجاتی ہے"(۲)

بنیادی غرض

یوں تو ہر جگہ اس فلسفہ ونظریہ کی عمارت اس بنیاد پر کھڑی کی جاتی ہے کہ افراد کی زیادتی اقتصادی ومعاشی پریشانیوں کو مستلزم ہے، لیکن در پردہ اس کی غرض کچھ اور ہے خصوصاً ان چھوٹے اور دوسروں پر نظر رکھنے والے ممالک کے حق میں جو اس منصوبہ کو محض اپنے آقاؤں اور بڑوں کے کہنے کی وجہ سے اپناتے ہیں اور اپنے یہاں اسے ترویج دیتے ہیں، چنانچہ آرتھر میک، ایک مغربی مفکر خاص ان ممالک کی بابت تحریر کرتا ہے:

"ترقی یافتہ ممالک کے لوگوں کے لئے اس بات میں ایک فطری پسندیدگی ہے کہ کم ترقی یافتہ ممالک میں انسانوں کی تعداد کم ہو جائے اور یہ اس لئے کہ وہ ان کی بڑھتی ہوئی تعداد میں اپنے اعلیٰ معیار زندگی اور پھر خود اپنی سیاسی سلامتی کیلئے مستقل خطرہ دیکھتے ہیں"(۳)

حکیم مشرق شاعر اسلام علامہ اقبالؒ نے خاص ہندوستان کے متعلق آج سے چالیس سال پیشتر اس خود غرض کی تشریح وتوضیح ان الفاظ میں فرمائی ہے:

"عام طور پر ہندوستان میں جو کچھ ہو رہا ہے، یا ہونے والا ہے وہ یورپ کے پروپیگنڈے کے اثرات ہیں، اس قسم کے لٹریچر کا ایک سیلاب ہے، جو ہمارے ممالک میں بہہ نکلا ہے، بعض دوسرے وسائل بھی ان کی تشویق وترویج کیلئے اختیار کئے جا

(۱) تفسیر ماجدی، ص:۳۱۴ (۲) تفسیر ماجدی، ص:۵۱۵ (۳) ضبط ولادت، ص:۲۰۲

رہے ہیں، حالانکہ ان کے اپنے ممالک میں آبادی کو گھٹانے کے بجائے بڑھانے کی تدبیریں کی جارہی ہیں، تحریک کی ایک بڑی غرض میرے نزدیک یہ ہے کہ یورپ کی اپنی آبادی اس کے اپنے پیدا کردہ حالات کی بنا پر جو اس کے اختیار واقتدار سے باہر ہیں بہت کم ہو رہی ہے، اور اس کے مقابلے میں مشرق کی آبادی روز بروز بڑھ رہی ہے، اور اس چیز کو یورپ اپنی سیاسی ہستی کیلئے خطرۂ عظیم سمجھتا ہے"(۱)

اس مرد حق آگاہ نے اپنی فراست ایمانی کی بنا پر آج سے چالیس سال قبل ہی قوم کے سامنے ان الفاظ میں آج کل کی درپیش صورت حال کا نقشہ کھینچ کر رکھ دیا تھا، اور یہ حقیقت ہے کہ اگر اس سلسلے میں اسی طرح کی جدوجہد جاری ہے جیسے کہ ماضی قریب میں ہمارے ملک میں اختیار کی جاچکی ہے، تو وہ دن دور نہیں جب کہ یہ ممالک قلت افراد، قحط الرجال اور ذہنی کم مائگی کا شکار ہو کر نہ صرف یہ کہ طرح طرح کے مصائب میں مبتلا ہوں گے بلکہ اپنی قومی وملی حیثیت کو مٹا کر رکھ دیں گے، اور یہ حال ہو جائے گا کہ اسباب ہوں گے مگر ان سے کام لینے والے نہ ہوں گے، رزق ہوگا مگر اس کے کھانے والے نہ ہوں گے، اور پھر وہ وقت آئے گا کہ بہت سے مغربی ممالک کی طرح ان ملکوں میں بھی "تکثیر نسل" کی تحریک چلے گی، "تحدید نسل" پر پابندی لگے گی اور "افزائش وپیدائش" دونوں پر انعامات ملیں گے۔

(۱) ضبط ولادت، ص:۲۰۴

حرف آخر

گذشتہ تمام تفصیلات کا حاصل اس کے علاوہ کچھ نہیں نکلتا کہ ''تحدید نسل'' اپنی تمام شکلوں کے ساتھ عقلاً وعرفاً طبعاً وشرعاً اور تجربۃً کسی طرح جائز ومناسب نہیں اور کسی قوم وملک کے حق میں کسی درجہ سودمند نہیں بلکہ صدہا مصائب وآفات کا پیش خیمہ ہے، مختلف ممالک کے ممتاز علماء کرام نے اس نظریہ وفلسفہ کی سختی کے ساتھ تردید فرمائی ہے، اس منصوبہ کو کسی طرح بھی تقویت دینا اور اس کی کسی صورت کو عملی جامہ پہنانا سب کا سب خداوند قدوس پر بے اعتمادی، نظام الٰہی میں دخل اندازی، منشاء ایزدی کا صریح مقابلہ، ارشاد نبوی پر عمل سے اعراض اور دیگر دنیوی واخروی نقصانات کا باعث وداعی ہونے کی بنا پر حرام، موجب گناہ اور موجب فسق ہے اور حسب فتویٰ دار العلوم دیوبند اور حسب تصریحات فقہاء اس مسئلے میں جواز کا قول نیز اپنی خوشی سے اس کی کسی صورت پر عمل کرنے والے کی امامت مکروہ تحریمی ہوگی۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد

محمد عبید اللہ الأسعدي غفرلہ

تصانیف استاذ الاساتذہ حضرت مولانا مفتی عبید اللہ الاسعدی مدظلہ العالی قاضی و شیخ الحدیث و صدر مفتی جامعہ عربیہ ہتھورا ضلع باندہ جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ ورکس اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا

(۱) دار العلوم دیوبند (عربی)
(۲) الموجز //
(۳) سبق الغایات فی نسق الآیات //
(۴) الحدیث الضعیف واحکامہم //
(۵) تذکرۃ الصدیق
(۶) مآثر حضرت باندی - علیہ الرحمہ -
(۷) مسائل نماز
(۸) احکام نماز احادیث وآثار کی روشنی
(۹) علوم الحدیث
(۱۰) حدیث ضعیف
(۱۱) ولی اللہی
(۱۲) اسلام مکمل دین اور مستقل تہذیب
(۱۳) حیات جعفر - سوانح حیات
(۱۴) اصول الفقہ
(۱۵) تسہیل اصول الفقہ
(۱۶) غیر مسلم ممالک میں حشر و خراج
(۱۷) سرگزشت سفر جہاد
(۱۸) اسعاد النحو -
(۱۹) معراج رسول صلی اللہ علیہ وسلم
(۲۰) تحدید نسل اور اسلامی تعلیمات

(ملاحظہ ہو)۔

جمع کردہ ـ محمد بلال سلطان پوری ـ
جامعہ عربیہ ہتھورا ضلع باندہ
9839892018